تین دائرے

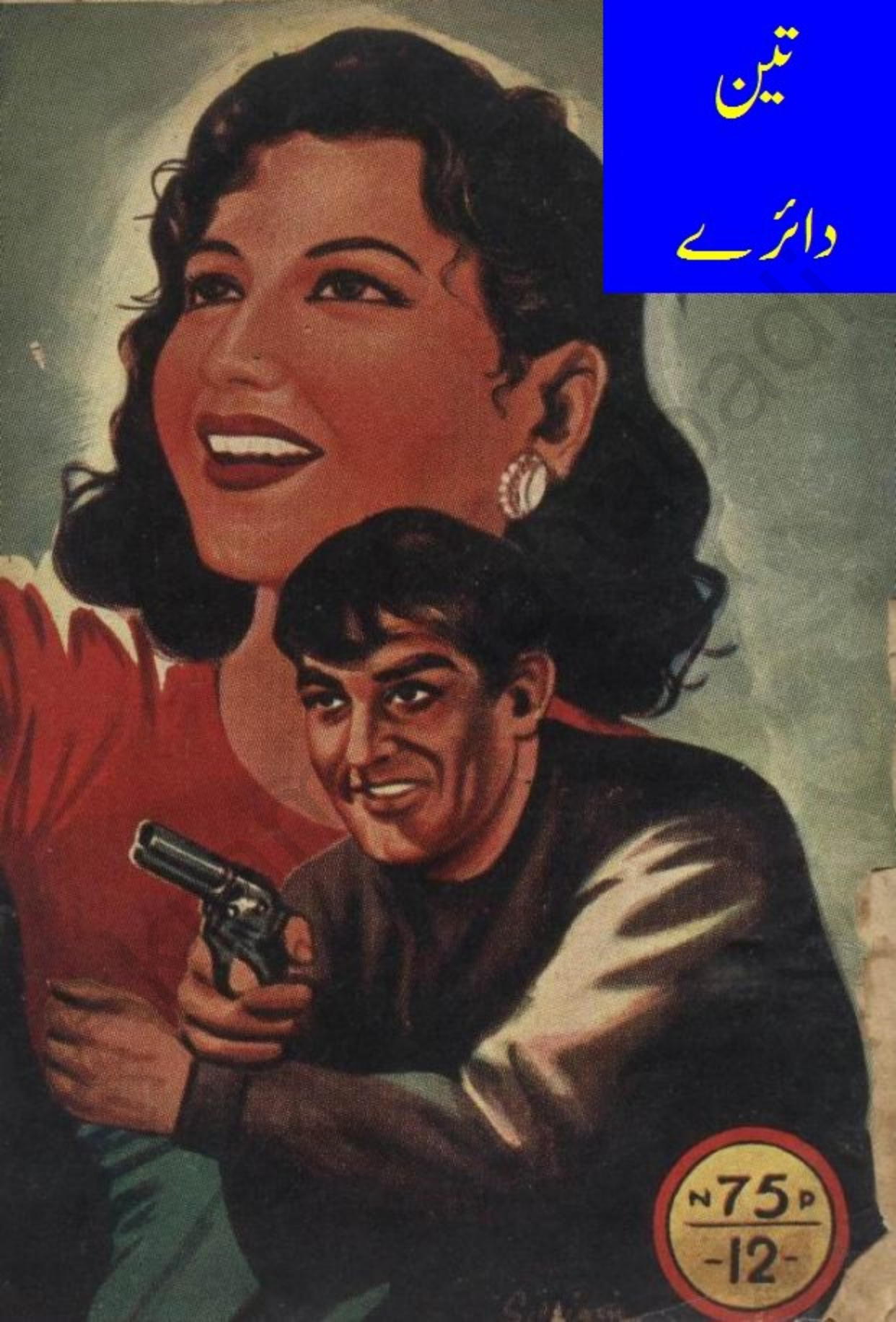

جاسوسی دائرہ سیریز

تین دائرے

اکرم الہ آبادی

فرحت پبلیکیشنز۔ممبئی۔انڈیا

Akram Allahabadi

جملہ حقوق بحق پبلشر محفوظ ہیں

اس ناول میں شائع ہونے والے تمام واقعات،
مقامات و کردار فرضی ہیں۔اس سے کسی طرح
کی مطابقت محض اتفاقیہ ہے۔جس کی مصنف،
پبلشر و پرنٹر پر کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی۔

اس ناول کی دوبارہ اشاعت، ترجمے یا کسی اور مقصد سے استعمال کے
لئے پبلشر کی تحریری اجازت ضروری ہے ورنہ قانونی چارہ جوئی کی جائے گی۔

پرنٹر:۔۔۔۔۔ممبئی۔انڈیا

Akram Allahabadi

انتساب

جوان سال اور جوان فکر نواز الدین کفایت اللہ (کھمبا لاہلز) کے نام

جو جاسوسی ادب کے دلدادگان کی صف اول میں نظر آتے ہیں

اور ہوسکتا ہے کہ کسی دن پڑھتے پڑھتے لکھنے بھی لگیں۔

Akram Allahabadi

باس

شوکت اب پہلے سے زیادہ مہذب اور شاندار نظر آنے لگا تھا۔ یہ عقل اسے بالے نے ہی دی تھی کہ ایک کامیاب بزنس مین کے لیے اوپری رکھ رکھاؤ بھی ضروری امور میں شامل ہے۔ چنانچہ اس نے ان دنوں اپنے دفتر میں کافی تبدیلیاں کر لی تھیں۔ اس وقت وہ مانچسٹر نیوی بلیو کے سوٹ میں خود کو کوئی شہزادہ ہی تصور کر رہا تھا۔

اپنے آفس کے بڑے کمرے میں جسے نئے قسم کے فرنیچر سے آراستہ کیا جا چکا تھا، وہ ٹہل ٹہل کر اپنی اسٹینو کو خطوط کے جواب اور ضروری خطوط لکھوا رہا تھا۔ یہ نئی اسٹینو اس نے دو ماہ قبل ہی ملازم رکھی تھی۔ ویسے ان دنوں اس کی سکریٹری بھی ایک دیسی عیسائی لڑکی تھی، جو خود کو کسی خاندانی انگریز کی نسل سے بتاتی تھی، کیونکہ اس کا رنگ کافی کھلا ہوا اور بال کسی قدر بھورے تھے۔ وہ ہندوستان کی پیداور ہوتے ہوئے بھی ہندوستانی زبان اس قدر توڑ پھوڑ کر بولتی تھی جیسے تازہ تازہ ولایت سے تولد ہوئی ہے اور اس وجہ سے شوکت کو اسٹاف میں ایک اسٹینو کا اضافہ کرنا پڑا تھا۔ یہ اسٹینوگرافر ایک مسلمان لڑکی تھی، جس کا نام زہرہ تھا۔ وہ گریجویٹ تھی اور اس سے قبل کسی انگلش فرم میں ٹائپسٹ رہ چکی تھی۔ اس کا رنگ گندمی تھا، لیکن جسم صحت مند، گداز اور چہرے کے نقوش کافی جاذبیت لیے ہوئے تھے۔ وہ ڈیوٹی کی بہت پابند تھی اور شوکت کا اس قدر ادب کرتی کہ شوکت کو اس سے بے تکلف ہونے کی خود ابھی تک ہمت نہیں ہوئی تھی۔

شوکت ٹیلی فون کا رسیور کان سے لگائے ہوئے تھا۔ اس کا ملازم کریڈل ہاتھوں پر لیے ہوئے اس کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا اور دائیں طرف اسٹینو اس کے پیچھے چل رہی تھی۔ اس کے ہاتھ میں شارٹ ہینڈ بک اور پنسل تھی اور شوکت اسے کسی خط کا مضمون ڈکٹیٹ کراتا جا رہا

تھا۔اس وقت اگر اس کا ریسور کسی حقے کی نلی سے اور سوٹ کسی چوغے یا انگرکھے سے بدل جاتا تو وہ لکھنؤ کا کوئی نواب معلوم ہونے لگتا۔

"ہاں تو لکھو' وہ پھر اسٹینو کو ڈکٹیٹ کرانے لگا۔اور وہ پنسل سنبھال کر مستعد ہوگئی۔

شوکت کی چہل قدمی بہر حال جاری تھی اور اس کے پیچھے ملازم اور اسٹینو بھی اسی رفتار سے چل رہے تھے۔

"مرار جی بھائی اینڈ سنز...سلام علیکم۔"اس نے خط شروع کرایا۔

"سر، یہ کمرشل لیٹر ہے۔"اسٹینو کو بولنا ہی پڑا۔

"اے لو،تو کیا سلام دعا کے بغیر ہی الف بے تے ٹے۔"شوکت نے ایک لمحے رک کر اس کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا۔وہ بیچاری ڈر کر لکھنے لگی۔

"مگر تمہیں سلاما لیکم نہیں،وہ کیا کہتے ہیں...ہاں لکھو، جے رام جی کی۔"

"سر، یہ کمرشل..."

"کمرا ورشل،سب گئے تیل لینے۔جیسا بول رہا ہوں لکھو،بس۔"شوکت نے اسٹینو کو ڈانٹ پلائی اور وہ مجبوراً لکھنے لگی۔

"آگے لکھو،پانی کہ بھر پائے آپ کی ساجے داری سے...دولا کھ کا گھاٹا ہوگیا...وغیرہ وغیرہ...لکھا؟"

"یس،سر۔"

"آگے چلو۔لکھو،ہم الو کے پٹھے تھے جو آپ کے کہنے میں آگئے، ورنہ..."اور کہتے کہتے وہ بات کاٹ کر ریسور کے ماؤتھ پیس پر بولنے لگے۔"میں شوکت ہوں۔"

"ہاں...ٹھیک ہے...ایں...ابھی چاہیے۔"یہ کہہ کر وہ پھر اسٹینو سے مخاطب ہوگیا۔

"تم نے کیا لکھا،مس زہرہ؟"

زہرہ چونک کر لکھا ہوا مضمون دہرانے لگی۔"میسرز مرار جی بھائی اینڈ سنز، ڈیر سر..."

Akram Allahabadi

''کٹ۔''شوکت نے بات کاٹ دی۔''کائے کو ڈیر سر؟ میں نے کیا بولا تھا؟''

''سر، انگریزی میں اسی طرح خط شروع کرتے ہیں۔''زہرہ نے ڈرتے ڈرتے کہا۔

''تو میں کیا انگریز ہوں۔ہوشٹ...اور پھر میں اس سالے کو ڈیئر بھی لکھوں گا اور سر بھی جس نے میرا دو لاکھ کا بیڑا گرک...اور نہیں...وہ یانی کہ...غرق...اونہو...غرق کروایا ہے۔ واؤواہ...کیا کہتے ہیں...ڈیر سر...یانی کہ پیارے جناب،ہشٹ۔''شوکت نے اسٹینو کو جھڑکتے ہوئے کہا۔

''سر، ڈیئر کے معنی انگریزی میں ہرن کے بھی ہوتے ہیں۔''اسٹینو نے بات بنا کر اسے ٹھنڈا کرنا چاہا۔

''ہرن بھی کائے کو، گدھا لکھو گدھا۔ہرن تو خوبصور جانور ہوتا ہے۔''

''سر، جے رام جی کی بھی لکھا ہے۔''

''تو بس وئی ٹھیک ہے۔آگے پڑھو۔''

''یانی کہ بھرپائے آپ کی ساجے داری سے۔دو لاکھ کا گھاٹا ہوگیا...وغیرہ وغیرہ۔''

''لو، یانی کہ پھر گھسیڑ دیا۔ارے وہ تو میرا کلام تکیہ... یانی کہ وہ کیا کہتے ہیں اسے...''

''کاٹ دیا۔''اسٹینو نے جلدی سے پنسل چلا کر کہا۔

''ہُم...آگے۔''

''ہم بیوقوف تھے جو آپ کے کہنے میں آگئے...''

''کائے کو بیوقوف تھے،ہشٹ۔الو کے پٹھے بولا تھا نا؟''

''سر، انگریزی میں الو کے پٹھے کا ہم مذاق کوئی لفظ نہیں، بیوقوف لکھ سکتے ہیں۔''

''ہے کائے کو نہیں۔تم کو خود مالوم نہیں ہوگا کہ...انگریزی میں تو الو کو آؤل کہتے ہیں اور پٹھا...پٹھا...یانی...یانی...سن۔''

Akram Allahabadi

''مگر سر...''

''ہم سے قابل بننے کی کوشش مت کرو۔الو کے پٹھے اور بیوقوف میں بھوت فرق ہے۔''

''آل رائٹ، سر۔''

''کیا لکھا؟''

''سن آف دی آؤل۔''

''ہاں تو ہم الو کے پٹھے تھے۔''شوکت دہرانے لگا۔''اور لکھو...''

''تھے نہیں، اب بھی ہو۔''فون سے آواز آئی۔اور وہ چونک پڑا۔

''تم خد...کاں مر گئے تھے؟''شوکت ماؤتھ پیس پر بولنے لگا۔فون پر دوسری طرف بالے تھا۔

''دو لاکھ کا گھاٹا ہو گیا۔''

''تو میں کیا کروں؟''بالے نے کہا۔

''ڈھول بجاؤ...چرونجی دانے بانٹو...اور کیا کرو گے۔''شوکت جل کر بولا۔

''نہیں، بلکہ اس خوشی میں ایک شاندار پارٹی دونگا سب کو۔''

''اور کیا کرو گے تم۔سالے سفید خون...مار آستین۔''

''ابے واہ چغد، طویلے کے بلا بندر کے سر۔''

''بندر کے سر کائے کو نہیں...تم نے ہی تو کہا تھا وہ بھوت اچھا آدمی ہے۔تمہاری ہی وہ یانی کہ تجویز پر میں اس کا پارٹنر بنا تھا۔''

''نفع نقصان تو تقدیر کا کھیل ہے۔''

''اللہ تمہارا بھی بیڑا غرق کرے گا کسی دن، گھبراؤ نہیں، میاں خاں۔''

''کوئے کے کوسے سے ڈھور نہیں مرا کرتے، بیٹے۔''

Akram Allahabadi

''تم خود کوے، بلکہ کبوتر۔'' شوکت کو غصہ آ گیا۔

''اچھا، تم مجھے موہنجی میں ملو، میں وہیں آ رہا ہوں۔''

''نہیں، واں نہیں۔''

''کیوں؟''

''وہ سالا منیجر مجھے اس کی صورت دیکھ کرتاؤ آتا ہے۔''

''بیٹے، آج وہاں مزا آ جائے گا۔ جاپانی ڈانسروں کا پروگرام ہے۔''

''اور جو اس نے گڑبڑ کی تو؟''

''تم ہوٹل کو خرید لینا۔''

''یار، مجھے مت چڑھاؤ۔ دو لاکھ کا تو پہلے ہی معاملہ صاف کرا دیا۔''

''خیر، تم آؤ تو وہاں۔'' بالے نے یہ کہہ کر فون کا سلسلہ منقطع کر دیا۔

''چپراسی۔ تھری، فاؤ، صفر، چار، دو۔ رنگ کرو۔'' شوکت نے چپراسی کو آدھی انگریزی اور آدھی ہندوستانی میں نمبر بتائے اور چپراسی جلدی سے لائن کٹ کر کے ڈائل گھمانے لگا۔

''ہاں، مس زہرہ، کیا لکھا تم نے؟'' شوکت پھر اسٹینو کی طرف متوجہ ہو گیا۔

''سر، پورا سناتی ہوں۔'' یہ کہہ کر وہ شروع ہو گئی۔

''میسرز مرارجی بھائی اینڈ سنز،

جے رام جی کی۔

ہم بھر پائے آپ کی ساجھے داری، دو لاکھ کا گھاٹا ہو گیا۔ ہم الو کے پٹھے تھے جو آپ کے کہنے میں آ گئے۔ تم خود کاں مر گئے تھے، دو لاکھ کا گھاٹا ہو گیا۔ ڈھول بجاؤ، چرونجی دانے بانٹو اور کیا کرو گے۔''

''ارے ارے، کٹ کٹ۔'' شوکت دونوں ہاتھ سے سر تھام کر چیخا، لیکن اسٹینو ایک

ہی سانس میں سب پڑھ ڈالنا چاہتی تھی۔اس نے جیسے سنا ہی نہیں۔وہ جاری رکھتے ہوئے بولی۔

''اور کیا کرو گے تم، سالے سفید خون، مار آستین۔''اس نے پڑھا۔

''ہاں اور نہیں تو کیا۔''شوکت کو بالے کا خیال آ گیا۔

''بندر کے سر کا ئے کو نہیں۔تم نے ہی تو کہا تھا وہ بہت اچھا آدمی ہے،تمہاری ہی وہ یانی کہ تجویز پر میں اس کا پارٹنر بنا تھا۔''

''اور نہیں تو کیا۔''شوکت نے سر کو جھٹکا دیا۔

''اللہ تمہارا بھی بیڑا غرق کرے گا کسی دن،گھبراؤ نہیں، میاں خاں۔''اسٹینو نے آگے پڑھا۔

''ضرور کرے گا،انشاءاللہ۔''شوکت پھر بڑبڑایا۔

''تم خود کوئے بلکہ کبوتر...''یہ پڑھتے ہوئے اسٹینو کو بہ مشکل اپنی ہنسی روکنی پڑی۔

''کون؟''شوکت نے پوچھا۔

''یعنی کہ وہی۔''اسٹینو نے جلدی سے جواب دیا۔

''ہاں، میں سمجھا تھا کہ میں۔''

''نہیں، وہاں نہیں۔وہ سالا منیجر...مجھے اس کی صورت دیکھ کر تاؤ آتا ہے۔''لڑکی پڑھتی چلی گئی۔''اور جو اس نے گڑبڑ کی تو؟ مجھے پانی پر مت چڑھاؤ۔دو لاکھ کا تو پہلے ہی معاملہ صاف کروا دیا...وغیرہ وغیرہ۔''وہ خط ختم کر کے رکی۔

''ارے،مگر کس کو لکھا ہے یہ سب؟''شوکت نے چونک کر پوچھا۔

''میسرز مرارجی بھائی اینڈ سنز کو،سر۔''

''سر نہیں،تمہارا سر نہیں تو میرا سر۔''شوکت سر تھام کر بیٹھ گیا۔

ادھر ریسیور سے نمبر مل جانے کے بعد برابر ہیلو ہیلو کی آواز آ رہی تھی۔

Akram Allahabadi

''جتنے ملتے ہیں، ماشاءاللہ ہوتے ہیں، ہونہہ۔''شوکت بڑابڑایا۔''جاؤ ابھی، پھر ڈکٹیٹر کراؤنگا، ارے نہیں یار وہ کہ ڈکٹیٹ...لاحول ولاقوۃ...ارے جاؤ نہیں تو میرا خون کھول جائے گا۔''

اسٹینو جلدی سے باہر چلی گئی۔

''صاحب، فون۔''چپراسی نے ڈرتے ڈرتے کہا۔

''گولی مارو سالے کو۔''یہ کہہ کر شوکت نے رسیور کریڈل پر ڈال دیا۔

چپراسی بیچارہ چپ ہو کر پیچھے ہٹ گیا۔

''چلو، تم بھی دفا ہو جاؤ، بے۔''شوکت نے چپراسی کو حکم دیا۔اور وہ ٹیلی فون سیٹ میز پر رکھتا ہوا باہر چلا گیا۔شوکت نے ماسٹر فون کا سوئچ آن کر کے سکریٹری کو کال کیا، لیکن وہ شاید اپنے آفس میں نہ تھی۔تیسری بار کال کرنے پر اس کی آواز سنائی دیل۔

''یس، سر۔''وہ بولی۔

''تمہارا سر...کاں مر گئی تھیں؟''شوکت اس پر بگڑ گیا۔

''سر وہ منیجر...''

''تیل لینے گیا منیجر سالا۔''

''اچھا، سر۔نو، سر۔وہ تو اپنی میز پر بیٹھے ہیں اپنے آفس میں۔''

''اوہ...ہو...یہ ضرب المثل ہے۔خیر، ڈرائیور کو بولو گاڑی لگا لے۔''

''او کے۔''سکریٹری کی نخروں بھری آواز سنائی دی۔پھر وہ آف کر کے چلی گئی۔

''سالی، چڑی کی تگی نخرے دکھاتی ہے۔''شوکت نے بڑبڑاتے ہوئے ماسٹر فون آف کر دیا۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

وہ آدمی

بالے موچھی میں اس کا منتظر تھا، لیکن منیجر بھی اس وقت کاؤنٹر پر موجود تھا، جب شوکت اندر داخل ہوا۔ اسے شوکت کی شکل سے ہی بیر ہو گیا تھا، کیونکہ بہت سی لڑکیاں اس سے شکایت کر چکی تھیں کہ یہ موٹا آدمی انھیں مالِ غنیمت سمجھ کر گھورا کرتا ہے۔ خود اسے بھی شوکت سے ایک ضدسی ہو گئی تھی، کیونکہ شوکت اسے سرے سے ہی منیجر تسلیم نہیں کرتا تھا۔ اس کا اگر بس چلتا تو وہ ہوٹل کے دروازے پر اس طرح کا ایک بورڈ لگوا دیتا کہ موٹے آدمی شوکت کے لیے اس ہوٹل میں داخلہ ممنوع ہے۔ لیکن ہوٹل بہر حال ہوٹل ٹھہرا، جہاں جیب میں پیسے ڈال کر رامو تیلی بھی بادشاہوں جیسی شان سے داخل ہونے کا حق رکھتا تھا۔ وہ شوکت کو دیکھ کر اپنی کرسی پر پہلو بدلنے لگا۔ آج شاید وہ اس موڈ میں تھا کہ شوکت سے کوئی بھی بے اصولی ہوا ور وہ اس کی آڑ لے کر لڑ پڑے۔ شوکت نے اندر داخل ہوتے ہوئے ایک نظر اس کی طرف دیکھا اور پھر برا سا منہ بنا کر بالے کی ٹیبل کی طرف بڑھ گیا۔ بالے کے سامنے ایک نوجوان لڑکی بیٹھی تھی۔

"تم آ گئے۔" بالے اسے دیکھ کر مسکرایا۔

"ہاں، بولو، کاہے کو یاد فرمایا تھا؟" وہ ایک نظر اس لڑکی پر ڈالتا ہوا کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔

"ان سے ملو، یہ پشپا لتا ہیں۔" بالے نے اس کا لڑکی سے تعارف کرایا۔

"یانی کہ لتا منگیشکر؟" شوکت نے اس کی طرف غور سے دیکھا اور پوچھا۔

"یار تم آدمی ہو یا چاکلیٹ؟" بالے جھلا گیا۔

"میاں خان، تم خود یانی چوکلیٹ۔ یہ کیا بات ہوئی؟"

"یہ میرے بڑے بے تکلف دوست ہیں۔" بالے شوکت کی طرف اشارہ کر کے

Akram Allahabadi

پشپا سے کہنے لگا۔ ''مسٹر شوکت یہاں کے بڑے لوگوں میں ہیں۔'' بالے نے خود ہی شوکت کا تعارف کرادیا۔ جس پر شوکت نے ہونے والے شوہر سے شرمانے والی کسی کنواری لڑکی جیسی اداکاری کرتے ہوئے مسکرا کر سر جھکالیا۔

اس کے بعد شوکت نے شان میں آکر زبردستی مہمان لڑکی کی بہت ہی خاطر کر ڈالی۔ وہ بھی شاید زیادہ تکلف پسند نہیں کرتی تھی، اس لیے جلد ہی شوکت سے گھل مل گئی، لیکن بالے شاید یہاں کسی کا انتظار کر رہا تھا۔ ان سے گفتگو کرتے ہوئے بھی بار بار اس کی نظریں ہوٹل کے دروازے کی طرف اٹھ جاتیں اور کبھی اپنی کلائی کی گھڑی کی طرف۔ شوکت اس لڑکی کو اپنی ہونے والی منگیتر سمجھ کر اس سے اپنے بزنس کے شاندار تذکرے چھیڑے ہوئے تھا۔

ہوٹل کے ہال والی گھڑی کی سوئیوں نے جیسے ہی ساڑھے تین بجائے، بالے کی نظر آپ سے آپ دروازے کی طرف اٹھ گئی۔ آنے والا ایک خوش پوش تندرست سا ۳۸۔۴۰ سال کا آدمی معلوم ہو رہا تھا۔ اس کا سانولا رنگ چہرے کے نقوش بتا رہے تھے کہ کوئی ہندی ہے۔ بہر حال اس کی شخصیت کافی بارعب اور پر وقار نظر آتی تھی۔ ہال میں داخل ہوتے ہوئے اس نے ایک اچٹتی نظر دوڑائی اور سیدھا کاؤنٹر پر چلا گیا۔ منیجر اسے دیکھ کر متعجب ہوگیا۔ لیکن شوکت اس وقت بھی لڑکی سے باتیں کرنے میں کھویا ہوا تھا۔

''شوکت، کیا تم نے اس آدمی کو کبھی اس کے ساتھ دیکھا ہے؟'' بالے نے نووارد کی طرف اشارہ کر کے شوکت سے پوچھا۔

''کسکو...؟'' ''کس کے ساتھ...؟'' شوکت نے چونک کر پوچھا۔ پھر وہ بھی اس نووارد کو دیکھنے لگا۔ مگر ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ کچھ سوچ رہا ہے، ورنہ جواب دینے میں اتنی دیر نہ ہوتی۔

''غور سے دیکھو۔''

''ہاں۔ یاد تو پڑتا ہے۔'' شوکت ذہن پر زور دیتے ہوئے بولا۔ ''ہاں ہاں، ٹھیک

ہے۔اسے میں نے ایشور لال کے ساتھ کئیں بار دیکھا تھا،مگر یار بالے بھائی،تم نے مجھے کس مصیبت میں پھنسوا دیا ہے۔"شوکت کو کچھ اور خیال آ گیا۔

"کیا مطلب؟"

"مطلب وطلب کائے کا،تمہارے کہنے سے میں نے ایشور لال سے کانچ کے دھندے میں ساجھے داری کی اور سالے نے دو لاکھ کا نقصان بتا دیا۔"شوکت کا لہجہ شکایتی تھا۔

پشپا اس لاکھوں کے تذکرے کو دلچسپی سے سن رہی تھی۔

"بزنس میں نفع نقصان تو ہوتا ہی ہے۔آج گھاٹا ہوا ہے تو کل فائدہ بھی ہوگا۔" بالے نے سمجھایا۔

"پتھر ہوگا۔میں نے تو سنا ہے کہ شیشے کے دھندے میں کچھ نہیں ہے۔"شوکت نے برا سا منہ بنا کر کہا۔"میں نے تمہاری ضد سے یہ مصیبت مول لی ہے سالی۔"

"گھبراؤ نہیں۔تمہارے نقصان کا میں ذمے دار ہوں۔"بالے نے سینہ ٹھونک کر کہا۔

"ارے ہاں،بھوت دیکھے۔سارجنٹی کر کے نقصان بھریں گے بیچارے۔"وہ بولا۔

"مگر ہاں،تمہیں ٹھیک سے یاد ہے نا کہ اس آدمی کو تم نے ایشور لال کے ساتھ دیکھا ہے؟"

"ہاں نا۔کیسے بولوں؟کیا قسم کھاؤں باپ دادا کی؟"

"پشپا،یہی ہے۔پہچان لو۔"بالے اب لڑکی کی طرف متوجہ ہو کر بولا۔

شوکت کے صرف کان کھڑے رہ گئے۔وہ ان کی یہ گفتگو نہ سن سکا۔

"ہُم۔"لڑکی نے سر ہلایا اور اس سے پہلے کہ نووارد منیجر سے گفتگو کرنے کے بعد چلے،وہ اس میز سے اٹھ کر چلی گئی۔

"ارے،یہ کائے کو رفو چکر ہو گئی؟"شوکت نے پوچھا۔

"رفع حاجت کرنے گئی ہوگی۔"بالے ہنس کر بولا۔

Akram Allahabadi

''تم مجھ سے بہوت فارسی مت بولا کرو، بالے بھائی۔''شوکت نے اس سے اکیلے میں جھینپتے ہوئے انداز میں کہا۔

''اچھا۔''بالے سنجیدگی سے بولا۔

''یار بالے بھائی، یہ ایشور لال تو مجھے کوئی چار سو بیس معلوم ہوتا ہے۔لو، یونئی دیکھو، سالا کمیشن کا نام مرارجی بھائی اینڈ سنز اور مالک ایشور لال۔''

''یہ ضروری نہیں۔بہت سے فرمیں اپنے باپ دادا کے ناموں پر چلاتے ہیں۔''

''خیر ہوگا، مجھے کیا۔میرا تو اوریڑا غرق کیا سالے نے تو تم سے سمجھ لوں گا۔''

''ہاں ہاں، کیوں نہیں۔سمجھدار آدمی ہی سمجھا کرتے ہیں۔''بالے نے ہنس کر کہا۔

''یانی کہ کیا؟''شوکت نے چونک کر پوچھا۔

''کچھ نہیں، بس تمہارا آج کا کام ختم۔''

''میاں خان، باپ کا نوکر سمجھا ہے کیا۔کائے کا کام؟ کیسے ختم؟''

''یانی کہ تمہاری پشپا سے ملاقات کرادی نا؟''بالے نے ایک آنکھ دبا کر کہا۔

''ایسا، تو صاف صاف کائے کو نہیں کہتے۔''شوکت نے خوش ہو کر ہنستے ہوئے کہا۔ ''یار، ہے تو لونڈیا اچھی۔''

''بس، اب چپ چاپ کافی پیو اور رخصت ہو جاؤ۔آج اسی قدر کافی ہے۔''

''کیوں؟ کیا ابھی نہیں آئے گی وہ؟''

''نہیں۔اور پھر پہلی ہی ملاقات میں کسی سے زیادہ بے تکلف ہو جانا بھی ٹھیک نہیں ہے۔''

''یہ بات تو ٹھیک ہے۔خیر میں دو چار ملاقاتوں کے بعد کہوں گا اس سے۔''

''کیا؟''

''ارے وہی، موجت وجت کی باتیں۔یانی کہ جذبِ دل وغیرہ۔''

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

لکھ پتی بھکاری

''خان صاحب نے یاد کیا ہے۔''

بالے کے آفس میں داخل ہوتے ہی اسے آفس کلرک نے پیغام سنایا۔

''تم بڑے منحوس ہو، یار۔'' بالے نے اسے گھور کر کہا۔

''کیوں؟ میں نے کیا کیا ہے؟'' وہ چونک کر پوچھنے لگا۔

''کیا یہ پیغام بہت خوشگوار ہے؟'' بالے اس سے ہی پوچھنے لگا۔

''مجھے افسوس ہے، صاحب۔ آج کل شاید آپ کی گرل فرینڈ آپ سے ناراض معلوم ہوتی ہے۔ ویسے آپ کہیں تو آپ کی دلچسپی کے لیے میں فرضی کال نوٹ کر لیا کروں؟'' کلرک نے طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔

''بہت سمجھدار ہوتے جا رہے ہو آج کل۔'' بالے یہ کہہ کر اسے گھورتا ہوا باہر نکل گیا۔

خان اس کا ہی منتظر تھا۔ آفس میں اس وقت وہ اکیلا ہی تھا اور سامنے کاغذات کا ایک ڈھیر رکھا تھا جس پر اسے دستخط کرنے میں گھنٹوں صرف ہو جاتے تھے۔ اس نے بالے کی طرف اچٹتی نظر سے دیکھا اور پھر دراز سے ایک فوٹو نکال کر سامنے رکھ لیا۔ بالے نے تادیباً ایڑیاں ملا کر سلام کیا اور قریب پہنچ گیا۔

''بیٹھ جاؤ، کہاں مر گئے تھے اتنی دیر سے؟'' خان نے اسے گھور کر سوال کیا۔

''زندگی نام ہے مر مر کے جیے جانے کا۔ ایک شاعر کا قول ہے۔''

''رنگ ریکٹ کیس کے لیے ہوم ڈپارٹمنٹ سے آج پھر ریمانڈ آیا ہے۔ کمشنر کا کہنا ہے کہ ہماری رفتار بہت سست ہے۔''

''ظاہر ہے کہ گاڑی ابھی فرسٹ گیر میں ہے۔''

''بکومت۔''

''ذرا ایک دو کیس کمشنر صاحب کو خود کرنے پڑیں تو پتا چلے رفتار کا۔'' بالے نے کہا۔ ''میں اس ذہنی غلامی کے خلاف نعرۂ احتیاج...''

''احتجاج۔''

''آئی ایم ساری، احتجاج بلند کر کے تین سنگھ کو اس پر چڑھنے کی دعوت دونگا۔''

''کس پر؟'' خان ہنس پڑا۔

''نعرۂ احتجاج کی بلندی پر۔''

''مارٹیگو کا کیا ہوا؟'' خان نے فوٹو کو گھورتے ہوئے بالے سے سوال کیا۔

''شوکت نے اسے شناخت کر لیا۔ اس نے ایشور لال کو دو تین بار اس کے ساتھ دیکھا ہے۔'' بالے نے بتایا۔ ''اور میں نے کیٹی کو اس کے پیچھے لگا دیا۔'' بالے نے مزید کہا۔

''کیا تمہیں اس لڑکی پر پورا بھروسہ ہے؟'' خان نے پوچھا۔

''قطعی۔ وہ میری بہترین دوست ہے اور پہلے بھی میرے لیے کام کر چکی ہے۔''

''خیر، یہ بھی اچھا ہی کیا۔ اچھا یہ لو، اسے پہچانتے ہو؟'' یہ کہہ کر خان نے فوٹو اس کی طرف بڑھا دیا۔ بالے تصویر کو غور سے دیکھنے لگا۔ یہ ایک بھورے بالوں والی خوبصورت لڑکی تھی۔ فوٹو اگرچہ سرِ بازار اور فاصلے سے لیا گیا تھا، لیکن اس کی شکل صاف سمجھ میں آتی تھی۔

''تعریف اس خدا کی جس نے جہاں بنایا۔'' بالے فوٹو کو سامنے رکھ کر بڑبڑایا۔

''کون ہو سکتی ہے؟''

''ایک لڑکی۔''

''پھر بکواس۔''

''اور کچھ بھی ہو سکتی ہے، اگر آپ اجازت دیں۔ ویسے آج کل میں اکیس فیصدی

شرح سود کے حساب سے برہمچاری بنا ہوا ہوں۔"

"یہ لڑکی اونچی سوسائٹی کے لوگوں میں خود کو پامسٹری کا ماہر ظاہر کرتی ہے اور بہت سے گدھے اس کے معتقد بھی ہیں۔"

"تو اس میں کون سی خاص بات ہے؟"

"کم از کم میں ایک ایسے آدمی کو جانتا ہوں جس کے اس نے ہاتھ دیکھ کر ایک ہفتہ پہلے بتا دیا تھا کہ بہت جلد وہ لکھ پتی بننے والا ہے۔اور واقعی وہ ایک ہفتے بعد لکھ پتی بننا شروع ہو گیا اور آج اس کے پاس ایک بنگلہ، دو موٹر کاریں اور تین چار نوکر ہیں۔"

"خدا کی دین ہے۔آپ کیوں جلتے ہیں؟" بالے نے برجستہ ٹھونک دیا۔

"میں غیر قانونی کمائی سے دولتمند بننے والے ہر آدمی سے جلتا ہوں۔ایسے بڑے سے بڑے لوگ بھی ایک نہ ایک دن میری زد سے نہیں بچ سکتے۔"

"تو میں کیا کروں اس لڑکی کا؟"

"اچار ڈالو۔" خان جھلا گیا۔

"کیا بھاؤ بکے گا؟"

"بکومت۔اب کیا میں تمہیں یہ بتاتا رہوں کہ کیا کرنا ہے؟"

"میں سمجھ گیا۔آپ میری لیاقت کا انتقام، نہیں، لاحول ولاقوۃ، امتحان لینا چاہتے ہیں۔"

"میرے پاس فضول بات کرنے کے لیے وقت نہیں ہے۔تم سمجھ سکتے ہو کہ تمہیں کیا کرنا ہے۔"

"سکتا ہوں۔" بالے یہ کہتا ہوا اس فوٹو کو جیب میں ڈال کر کھڑا ہو گیا۔

"او کے، باس۔" اس نے جاتے جاتے ہاتھ ہلایا۔خان صرف مسکرا دیا۔

رؤف اسے زینے پر ہی مل گیا۔وہ جلدی میں تھا اور شاید تیز رفتاری کی وجہ سے ہی

اس کی سانس پھولی ہوئی تھی۔

''کیا بات ہے، رفو بھائی؟ مار کھا کے آرہے ہو کہیں سے؟''

''تمہاری طرح میں چھوکریوں کے پیچھے نہیں لگا رہتا۔''

''تو آگے لگے رہتے ہو گے۔ صنفِ نازک کی لیڈری کرنا بھی تو کوئی معمولی کام نہیں ہے۔''

''ابھی تو جلدی میں ہوں، پھر نبٹوں گا تم سے۔''

''ارے، مگر بات کیا ہے؟ ذرا دیر تو مونچھوں تلے دم لو۔''

''لاحول ولاقوۃ۔ پھر وہی مرغے کی ایک ٹانگ۔''

''میں نے ایک عجیب بات دیکھی ہے آج۔'' رؤف سنجیدہ ہو کر بولا۔

''بات دیکھی نہیں جاتی، سنی جاتی ہے۔ بہر حال بیان جاری رہے۔''

''رائے کندن لال کو جانتے ہو؟''

''وہ ریشم والا؟''

''ہاں۔ کیا تم یقین کرو گے کہ میں نے اپنی آنکھوں سے آج اسے کھمبا لاہلز پر بھیک مانگتے دیکھا ہے۔''

''ارے نہیں۔ تمہاری مونچھوں کو دھوکا ہوا ہو گا۔''

''پھر وہی۔ تم جاؤ اور خود جا کر دیکھ لو۔'' رؤف جھلاہٹ میں یہ کہتا ہوا اوپر چلا گیا۔ لیکن اس نے جو کچھ بھی کہا تھا سنجیدگی سے کہا تھا اور یہ بات کچھ کم حیرت ناک نہیں تھی۔

رائے کندن لال کو اگرچہ لکھ پتی بنے ہوئے دو تین سال ہی ہوئے تھے، لیکن اس نے کافی شہرت حاصل کر لی تھی۔ سارجنٹ بالے اسے دو چار جگہ اچھی اچھی تقریبوں میں بھی دیکھ چکا تھا۔ رائے اس کا خطاب نہیں تھا، بلکہ وہ خود کو کسی بنگالی خاندان کی چوتھی پونچھ یں پشت میں گنا تا تھا۔ اس کے پاس بائیس ہزار کی ایک شاندار 'حاج' کار تھی اور وہ کھمبا بازار پر ہی ایک

بڑے فلیٹ میں رہتا تھا۔اور زیادہ دن کی بات نہیں، شاید پچھلے ہفتے ہی بالے اسے اس کی کار میں اسی شان سے فورٹ کے ایوانِ فریزر سے نکلتے دیکھا تھا۔پھر اچانک یہ کیسے ممکن تھا کہ وہ بھیک مانگنے لگے۔یہ کوئی توہمات کا طلسمی دور تو تھا نہیں کہ کوئی جادو کے زور سے کسی بادشاہ کو بھکاری بنا دے۔پھر وہ کار میں بیٹھتے ہوئے بھی سوچنے لگا۔ممکن ہے رؤف کو دھوکہ ہوا ہو۔یہ بھی ممکن ہے کہ کوئی اس جیسی شکل کا ہی آدمی رہا ہو، جسے رؤف نے دیکھا ہے۔

بہرحال رؤف کے اس بیان نے اس کے ذہن میں ایک کریدسی پیدا کردی اور اس نے اپنی کار کا رخ کھمبالا کی طرف کردیا۔

شہر کے وسطی علاقے کو عبور کرنے کے بعد اس کی کار کھمبالا ہلز کی بلندی پر جب چڑھنے لگی تو راہ گزرتے ہر آدمی کو دیکھنے لگا۔پھر اسے خیال آیا کہ کندن لال کھمبالا ہلز پر کہیں وارڈن روڈ کے آس پاس رہتا تھا، چنانچہ اس نے کار وارڈن روڈ کی طرف موڑ دی۔اچانک اسے ایک جگہ پر بریک لگا کر کار روک دینی پڑی۔وہ اگر رائے کندن لال نہیں تھا تو دوسرا بھی کوئی نہیں ہوسکتا تھا۔بالے نے کار سے اترتے ہوئے چہرے پر رائے کندن لال کے کسی شناسا یا قدردان جیسی استعجابی، لیکن ہمدردانہ کیفیت پیدا کرلی۔وہ سڑک کے کنارے سرکاری برقی لیمپ کے کھمبے سے ٹکا آنکھیں بند کیے بیٹھا تھا۔اس وقت اس کے چہرے پر کچھ عجیب سی مردنی برس رہی تھی۔

"رائے صاحب، آپ؟" بالے کی آواز نے اسے چونکا دیا۔

"ایں... ہاں... ہاں۔"

"مگر یہ سب کیا ہے؟ یہ حالت کیسی ہوگئی آپ کی؟"

"کچھ تو نہیں، میں تو ٹھیک ہوں۔" وہ اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر مسکرانے کوشش کرتے ہوئے بولا۔

"نہیں، رائے صاحب۔میں آپ کو اس حالت میں نہیں دیکھ سکتا۔میں خودکشی

کرلوں گا، ورنہ بتایئے یہ کیا ہوگیا ہے آپ کو؟''

''تم...؟'' وہ یہ کہتے ہوئے رک کر اسے غور سے دیکھنے لگا۔

''میں...موتجنی کا اسسٹنٹ منیجر ہوں۔'' بالے نے جلدی سے اسے بتایا۔ ''اور آپ کو کئی بار قریب سے دیکھ چکا ہوں، اسی لیے پہچاننے میں میری نظروں نے دھوکا نہیں کھایا۔'' بالے نے کہا۔

''یہ کچھ نہیں ہے، بھائی۔'' وہ اپنی پھیکی مسکراہٹ کو برقرار رکھتے ہوئے بولا۔ ''اصل میں اب میرا دنیا کی کسی چیز میں دل نہیں لگتا۔ بس یہی جی چاہتا ہے کہ فقیری لے کر بے فکری سے گھومتا پھروں۔'' وہ کسی فلسفی کی طرح بالے کو ہی سمجھانے لگا۔

''میں نہیں مان سکتا۔ یہ روحانیت کے لیے سنسار تیاگنے والوں کا زمانہ نہیں ہے۔'' بالے نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

'' تم کون ہوتے ہو ماننے یا نہ ماننے والے؟'' وہ اچانک بالے پر گرم ہوگیا۔ ''میری خوشی ہے میں لنگوٹ لگا کر گھوموں یا عیش کی زندگی بسر کروں۔ یہ میرا ذاتی انتخاب ہے۔''

''تو یوں کہیے کہ آپ پر کسی پیر فقیر کا سایہ ہوگیا ہے۔'' بالے نے پھر جلدی میں اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔

''مجھ پر کسی کا سایہ نہیں ہوا ہے۔ بس ایک خواب دیکھا تھا میں نے کہ یہ دھن دولت سب کچھ بیکار ہے۔ روزروز کی فکریں انسان کو زندہ رہنے کے لیے جس دو روٹی اور تن ڈھانکنے کو دوگز پڑا چاہیے۔ اور فقیری کی یہ زندگی سکون اور راحت سے بھرپور ہے۔''

''آپ واقعی مہاتما ہیں۔'' بالے نے چہرے پر کسی عقیدتمند کے سنجیدہ آثار پیدا کرتے ہوئے کہا۔ ''ایسے لوگ دنیا میں کم ہوں گے۔''

''ایسے بہت ہوں گے اور ابھی بہت نظر آئیں گے۔ تم خدا کے واسطے یہاں سے

Akram Allahabadi

چلے جاؤ، مجھے اب پریشان مت کرو۔'' وہ یہ کہتے کہتے جھلا گیا، لیکن بالے اندازہ لگائے بغیر نہیں رہ سکا کہ وہ اندر سے قطعی بے سکون اور فکرمند ہے۔ کبھی کبھی اس کے چہرے سے خوف کی ہلکی سی جھلک بھی نمایاں ہو جاتی، لیکن بہرصورت وہ اپنے آپ پر قابو پائے ہوئے تھا۔

''آپ اسے پریشان کرنا سمجھتے ہیں تو میں چلا جاتا ہوں۔'' بالے نے پھر کار میں بیٹھتے ہوئے کہا۔

''ہاں، چلے جاؤ۔'' کندن لال یہ کہتا ہوا برا سا منہ بنائے جیسے ہی پلٹا، بالے چونک پڑا۔ اس کی پشت پر دو سبز دائرے بنے ہوئے تھے۔ بالے کی نگاہیں ان پر جم کر رہ گئیں۔ اس کا دماغ سوچنے لگا۔ آخر اس فقیرانہ لباس پر سبز دائرے کیوں۔ ان کا تو اس لباس سے کوئی تعلق نہیں ہو سکتا تھا۔ پھر بھی اس نے پوچھ ہی لیا۔

''آپ کی پیٹھ پر کسی نے دائرے بنا دیے ہیں۔''

''ایں۔'' وہ چونک پڑا اور اس کے چہرے پر لمحہ بھر کے لیے یاس و اضمحلال کے گہرے آثار ابھر آئے، مگر فوراً ہی جھرجھری لے کر وہ سنبھل گیا۔

''میری خوشی، میں اپنی پیٹھ پر دائرے تو کیا تاج محل بنا کر پھروں تو کسی کو کیا حق ہے مجھے ٹوک سکے۔''

''اوہ نہیں، رائے صاحب، میں تو یہ سمجھ کر آپ کو توجہ دلا رہا تھا کہ ممکن ہے کہ کسی نے اس طرح آپ کا مذاق اڑانے کی کوشش کی ہو۔''

''تم اگر بہت سمجھ دار آدمی بھی ہو تب بھی یہاں سے چلے جاؤ۔ میں کسی سے بات کرنا نہیں چاہتا۔'' یہ کہتا ہوا وہ اپنا گیروا کرتا سمیٹتا آگے بڑھ گیا۔ بالے نے دیکھا کہ وارڈن روڈ کے لوگ اسے حسرت و ہمدردی کی نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ بالے جب کار آگے بڑھانے لگا تو اس کے کان یہ سنے بغیر نہ رہ سکے۔ ایک آدمی کہہ رہا تھا۔

''کیا ٹریجڈی ہے یہ بھی۔ بیٹھے بٹھائے بیچارے کا اچانک دماغ خراب ہو گیا

ہے۔"

"لیکن وہ باتیں تو پاگل جیسی نہیں کرتا۔" ایک دوسرے نے کہا۔

"خدا جانے اسے ہوا کیا جو فلیٹ، کار اور سامان وغیرہ نیلام کر کے اس طرح گھر سے نکل پڑا۔"

"خدا کی قدرت، خدا ہی جانے۔" کسی تیسرے نے یہ کہہ کر سارا معاملہ عالم الغیب کے سپرد کر دیا، لیکن بالے کا ذہن قطعی صاف نہیں تھا۔ اس سے کندن لال نے جو کچھ کہا تھا وہ نا قابلِ یقین بات تھی۔ پھر بھی وہ خان سے اس بارے میں بات کیے بغیر خود کوئی اقدام نہ کرنا چاہتا تھا۔ خدا جانے کیا حالات ہیں اور کیا نتائج۔ ساتھ ہی اسے اس لڑکی کو بھی تلاش کرنا تھا جس کا فوٹو اسے خان نے دیا تھا۔ اس کی تلاش بھی یقیناً ضروری تھی۔ کیونکہ خان نے اس لڑکی کو کافی اہمیت دی تھی۔ ایک بار اس کے ذہن میں یہ خیال ابھرا کہ کندن لال کی یہ حالت اس لڑکی کی کسی پیش گوئی کی مرہونِ منت تو نہیں ہے۔ اور اس خیال نے اسے اور الجھا کر رکھ دیا۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

ہنگامہ

شوکت کو بالے ہی نے ایشور لال کے ساتھ ساجھے داری میں پھنسایا تھا اور یہ کام بھی صرف اس لیے کیا گیا تھا کیونکہ خان کو ایشور لال کی حیثیت اور آمدنی پر شبہ تھا۔ ایشور لال نے خود ہی اپنی موت کو دعوت دی تھی۔

وہ انکم ٹیکس کے محکموں کو ٹیکس ادا نہ کرنے کے عذر میں اپنی مالی حالت کی خرابی اور شیشے کے برتن وغیرہ تیار کرنے والے اپنے کارخانے کے نقصان کی درخواستیں پیش کر بیٹھا تھا۔ حالانکہ علاقائی انکم ٹیکس افسر تک مستند ذرائع سے یہ خبر پہنچ چکی تھی کہ ایشور لال کی آمدنی بہت ہے۔ وہ ہزاروں روپے فضول خرچی میں اڑاتا ہے اور اس کے پاس سواری کے لیے ۲۲ ہزار کی نئی شاندار ڈاج کار ہے۔ چنانچہ اس سلسلے میں اس نے اپنا ایک خصوصی انسپکٹر خفیہ تحقیقات کے لیے مقرر کر دیا تھا، لیکن تقرری کے تیسرے دن سے وہ انسپکٹر اچانک غائب ہو گیا اور دوسری طرف دوسرے دن ہی اس کے گھر کے لوگوں نے بھی اس کی گمشدگی کی رپورٹ درج کرائی اور اس طرح کیس خان کے ہاتھوں میں آ پہنچا۔ قانونی ذرائع سے تفتیش کرنے میں بھی اس انسپکٹر کا پتا نہ چل سکا اور ایشور لال نے اس بات کا ثبوت بہم پہنچا دیا کہ ان دنوں میں وہ اس شہر میں ہی نہ تھا، بلکہ اپنی بیوی کی علالت کی وجہ سے پونا گیا ہوا تھا۔ انسپکٹر کا کئی دن تک کوئی سراغ نہ مل سکا، لیکن ان ہی دنوں اپنی مالی حالت کی خرابی کے دلائل کو اور تقویت دینے کے لیے ایک پارٹنر کی ضرورت کا بھی اشتہار چھپوا دیا، تاکہ محکمہ انکم ٹیس کو اس کی بیچارگی کا ثبوت مل جائے۔

خان اس اشتہار کو پڑھتے ہی چونک گیا اور اس نے بالے کو ہدایت کی کہ وہ کسی طرح شوکت کو اس کا پارٹنر بن جانے پر مجبور کرے۔ یہ کر لینا بالے کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔ اس نے شوکت کو جو لاکھوں کے فائدے والے سبز باغ دکھائے تو شوکت لاکھ دو لاکھ لگانے کے

لیے فوراً تیار ہوگیا۔بالے نے اس وقت اظہارِ بے نیازی کے طور پر اسے منع بھی کیا، لیکن وہ شوکت ہی کیا جو مان جائے۔شوکت اپنی ضد پر اڑا رہا اور بالآخر بالے نے اس سے وعدہ بھی کرلیا کہ وہ ایشور لال یا ان کے ساتھیوں سے اس کا تذکرہ تک نہ کرے گا، نہ اس پر یہ ظاہر ہونے دے گا کہ پولیس والوں سے اس کی دوستی ہے۔چنانچہ ایشور لال کی اس سے پارٹنرشپ ہوگئی اور پہلی ہی سہ ماہی میں شوکت کو ڈیڑھ دو لاکھ کا نقصان اٹھانا پڑا۔

شیشے کے کارخانے میں سب ایشور لال کے آدمی ہی کام کرتے تھے۔شوکت تو کبھی کبھی ہی چلا جاتا۔ویسے کاروبار سب ایشور لال کے ہاتھ میں ہی تھا، مگر وہ خود بھی دفتر پابندی سے نہ آتا تھا۔اس کا منیجر ہی سب سفید و سیاہ کا مالک تھا، مگر کارخانے کی اس حالت کے باوجود ایشور لال کے رکھ رکھاؤ میں کوئی فرق نہیں آیا تھا اور جہاں تک بالے نے شوکت کے معرفت معلومات حاصل کی تھیں، ایشور لال کسی کا قرض دار بھی نہ تھا۔بالے اس دوران میں شوکت کے آدمی کی حیثیت سے اس کے کارخانے میں داخل ہوکر گم شدہ انسپکٹر کے سلسلے میں سراغ رسانی کے امکانات پر غور ہی کر رہا تھا کہ خان نے ایک دن اچانک ایک کیفے کے دروازے میں اسے اس نامعلوم آدمی مارٹیگو سے دور سے روشناس کرایا۔اور پھر اسے ہدایت کی کہ وہ معلوم کرے کہ اس آدمی سے ایشور لال سے بھی مراسم ہیں یا نہیں۔چنانچہ کل مونجنی میں اس کی تصدیق ہوگئی۔مارٹیگو پچھلے چند دنوں میں مونجنی میں اکثر دیکھا گیا تھا۔خود اس کی شخصیت کافی پراسرار تھی۔کوئی نہیں جانتا کہ وہ کون ہے، کیا ہے، لیکن اس کی شخصیت سے لوگ مرعوب ضرور تھے اور اس کا رکھ رکھاؤ بھی کافی پروقار تھا۔وہ ایک چھوٹی سی سیاہ رنگ کی کار پر اکثر مونجنی آتا تھا۔بہت کم کسی سے گفتگو کرتا۔اس کی میز سے الگ تھلگ رہتی تھی، جہاں کبھی کبھی اس کے ایک دو واقف کار آ بیٹھتے۔وہ ان سے بھی زیادہ بے تکلفی سے گفتگو نہیں کرتا تھا۔

☆☆☆☆☆☆

اس وقت مونجنی میں بالے موجود تھا، لیکن اس نے ایک اوباش قسم کے بیکار آدمی جیسا میک اپ کر رکھا تھا۔ داڑھی کے بال کسی قدر بڑھے ہوئے تھے اور چہرہ میلا میلا سا تھا۔ اس کے بدن پر کپڑے بھی بے ترتیب تھے۔ مونجنی کا منیجر اسے کئی بار حقارت کی نظر سے دیکھ چکا تھا۔ اسے اپنے شاندار ہوٹل میں ایسے لوگوں کا آنا قطعی پسند نہیں تھا اور اگر ایسا کوئی قانون ہوتا کہ ہوٹلوں والے اس قسم کے گاہکوں کے ساتھ امتیاز برت سکیں، تو وہ اس وقت اس بد حال نوجوان کو بیروں سے اٹھوا کر باہر پھنکوا دیتا۔ مونجنی کسی ایرانی کے چائے کا ہوٹل نہیں تھا کہ جس کا جی چاہے آ بیٹھے، لیکن مشکل یہی تھی کہ جمہوریت کے دور میں اس قسم کے اقدام پر منیجر کو لینے کے دینے پڑ جاتے۔ اسی وجہ سے وہ خون کے گھونٹ پی پی کر اسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ اور وہ تو کیا، اس میک اپ میں بالے کو شاید خان کے سوا کوئی نہ پہچان سکتا۔ بالے نے ہوٹل میں داخل ہونے کے بعد صرف چائے کا آرڈر دیا تھا، لیکن اس کا یہ آرڈر اس شاندار ہوٹل کے بیرے کو اتنا برا معلوم ہوا کہ وہ سر جھٹک کر واپس چلا گیا۔

دوسری میزوں پر موجود مہذب لوگوں نے برے برے منہ بنا بنا کر اسے دیکھا، لیکن ان سب سے بے نیاز ہو کر وہ سر جھکائے کچھ سوچ رہا تھا۔

اس وقت رات کے نو بج رہے تھے اور دوسری اہم نشستیں پر ہو چکی تھیں۔ آخر منیجر سے نہ رہا گیا تو وہ خود ہی اٹھ کر بالے کے پاس آ گیا۔

''آپ یہاں کس کا انتظار کر رہے ہیں؟'' اس نے خشک لہجے میں پوچھا۔

''نہیں۔'' بالے نے بھی روکھے انداز میں جواب دیا۔

''پھر مفت میں کیوں آپ ایک آدمی کی جگہ گھیرے ہوئے ہیں؟''

''میں نے چائے کا آرڈر دیا تھا۔''

''لیکن بیروں کو آج فرصت نہیں ہے۔''

''شاید اس لیے کہ میں ایک غریب اور بے روزگار آدمی ہوں۔''

''آپ جو کچھ بھی سمجھ لیجیے۔''منیجر نے اکھڑے لہجے میں کہا۔

''تو میں چائے پی کر ہی جاؤں گا۔''بالے اکھڑ گیا۔

''بہت اچھا،لیکن آپ کو پورا بل دینا ہوگا۔''منیجر نے پلٹتے ہوئے بولا۔

''آپ چائے بھیجیے۔''

بالے کے لیے چائے آ گئی۔بیرا اسے ٹرے میں سجا کر لایا تھا،لیکن جب وہ بل لایا تو بالے نے غصے میں اسے پھاڑ کر پھینک دیا۔بل محض ضد کی وجہ سے پانچ روپے کا بنایا گیا تھا۔

بالے اپنی نشست سے اٹھ کھڑا ہوا۔اب اس کا رخ خود کاؤنٹر کی طرف تھا۔

وہ خود منیجر پر بگڑ پڑا۔''چائے کا ریٹ زیادہ سے زیادہ پانچ آنے ہے۔میں اس سے زیادہ تمہیں ایک پائی نہ دوں گا۔''

''اور میں اس سے کم ایک پائی نہ لوں گا۔''منیجر غرایا۔

''تو دیکھتا ہوں کیسے لیتے ہو؟''بالے یہ کہہ کر چلنے لگا۔

''اے مسٹر۔''منیجر نے اسے آواز دی۔ساتھ ہی اس کے اشاروں پر دو بیروں نے دوڑ کر بالے کو پکڑ لیا،لیکن بالے پہلے ہی سے تیار تھا۔اس کے ایک گھونسے نے ایک بیرے کو وہیں پر ڈھیر کر دیا اور دوسرا جو اس سے لپٹ پڑا تھا،اپنا پیٹ پکڑ 'اوغ' کرتا ہوا اوندھا ہو گیا۔ اتنی سی بات پر ہوٹل میں اچھا خاصہ ہنگامہ ہو گیا۔لوگ اپنی نشست سے اٹھ کر کاؤنٹر کی طرف آ گئے۔منیجر کے منہ سے گالیوں کا طوفان امنڈ پڑا تھا۔بالے نے اچک کر ایک لات اس کو بھی جما دی اور وہ کاؤنٹر کے پیچھے جا گرا۔یہ دیکھ کر ہال میں موجود آدمیوں میں سے بہت سے بالے کو پکڑنے کے لیے بڑھے ہی تھے کہ ان میں سے ایک قوی ہیکل درشت سی شکل کا آدمی،جس نے صرف ایک گرم پتلون اور ایک ریشمی قمیص پہن رکھی تھی،نکل کر اس کے درمیان آ گیا۔

''ایک اکیلے آدمی پر ہمیں یلغار کرتے شرم آنی چاہیے۔وہ تین کے مقابلے میں

ایک ہے۔'' وہ انھیں پیچھے دھکیلتے ہوئے بولا۔اس کی آواز اتنی رعب دار اور پر اثر تھی کہ تمام لوگ اپنی اپنی جگہ ٹھٹک کر کھڑے ہو گئے۔لیکن ٹھیک اس وقت جب منیجر پولیس کو فون کر رہا تھا، بالے نے آگے بڑھنے والے بیروں کو گھونسوں اور لاتوں سے گراتا ہوا باہر نکل گیا۔منیجر اتنی دیر میں پولیس کو فون کر چکا تھا۔بالے کے باہر جاتے ہی وہ قوی ہیکل درشت سی شکل کا آدمی بھی باہر جانے لگا۔

''جناب، آپ نے اس بدمعاش کو بھاگنے میں مدد دی ہے، آپ پولیس کے آنے تک یہیں ٹھہریں گے۔''منیجر نے اس کی راہ میں آ کر اسے روکنا چاہا۔

''کیا تم میں ہمت ہے کہ تم مجھے روک سکو؟'' وہ منیجر کو خشمگیں نگاہوں سے دیکھنے لگا۔اور نہ جانے اس کی آنکھوں میں ایسی کون سی اثر گیر قوت تھی جس نے منیجر کو ہتھیار ڈالنے پر مجبور کر دیا۔کوئی اس کا راستہ نہ روک سکا، بلکہ جب وہ حقارت سے ان پر نظر ڈالتا ہوا ان کے درمیان سے گزرنے لگا تو وہ دونوں طرف چھٹ گئے۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

پراسرار ہمدرد

بالے دائیں بائیں نظر ڈالتا ہوا فٹ پاتھ کے کنارے کنارے تیز رفتار سے جا رہا تھا۔انداز سے معلوم ہوتا تھا جیسے کسی چھپ کر بھاگنے والے آدمی کو تعاقب کا خوف ہو،لیکن ابھی وہ دوسری سڑک کے موڑ پر ہی تھا کہ پشت سے کسی کار کے بریک لگنے کی آواز نے اسے چونکا دیا۔اس نے پلٹ کر دیکھا۔یہ ایک لمبی ٹو سیٹر کار تھی جسے وہی آدمی ڈرائیو کر رہا تھا،جس نے ہوٹل میں اسے عام آدمیوں کے حملے سے بچایا تھا۔کار سے اترنے والا تیز قدم اس کی طرف آ رہا تھا۔اسے دیکھ کر بالے رک گیا اور وہ بھی۔

''مجھے آپ کا شکریہ ادا کرنے کا موقع نہ مل سکا۔''بالے نے خود اس کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

''کوئی بات نہیں،ویسے تم مجھے کافی دلیر آدمی اور بے دھڑک معلوم ہوتے ہو۔''وہ مسکرایا۔

''مجھے اب دنیا میں کسی کا نہ ڈر ہے اور نہ کسی چیز کی پرواہ۔میں خود اپنی زندگی سے تنگ آ گیا ہوں۔''وہ بولا۔

''تمہاری زندگی حالات سے کافی متاثر معلوم ہوتی ہے۔خیر آؤ میرے ساتھ۔شاید میں تمہارے لیے کچھ کر سکوں۔''یہ کہہ کر وہ پھر کار کی طرف لوٹا۔اور بالے بغیر چون وچرا اس کے پیچھے ہو لیا۔

☆☆☆☆☆☆

چند منٹ کے بعد اس کی کار ایک پھولدار کیاریوں والے احاطے کے بیچ بنے

ہوئے بنگلے کے پورٹیکو میں رک رہی تھی۔ وہ کار سے اتر کر بنگلے کے برآمدے میں داخل ہو گئے۔

بنگلے میں صرف دو ہی نوکر تھے، ایک غالباً خانساماں ہوگا اور دوسرا باہر کے کام کرنے والا۔ نووارد نے بالے کو ایک ڈرائنگ روم میں بٹھا دیا اور خود کپڑے تبدیل کرنے چلا گیا۔ بالے ماحول کو خوش پا کر ڈرائنگ روم کا جائزہ لینے لگا، مگر یہاں کوئی چیز شبے میں ڈالنے والی نہ تھی۔ یہ اوسط درجے کے فرنیچر سے آراستہ عام فیشن سے مختلف نہ تھا۔

وہ آدمی لباس تبدیل کر کے پانچ منٹ بعد ہی آ گیا۔ بالے اسے دیکھ کر سنبھل کر بیٹھ گیا۔ اس کے پیچھے ہی اس کا نوکر چائے لے کر آ رہا تھا اور مالک کے بیٹھنے سے پہلے ہی وہ میز پر ٹرے رکھ کر بالے پر ایک نظر ڈالتا ہوا واپس چلا گیا۔

''ہاں، اب مجھے اپنے بارے میں تفصیل سے بتاؤ؟'' وہ سامنے والی بید کی کرسی پر نیم درز ہوتے ہوئے بولا۔ اس نے اپنے سر کو پشت سے دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیوں پر رکھ لیا تھا۔

''میری کوئی کہانی نہیں ہے جو آپ کو سناؤں۔'' بالے نے سر جھکائے کہنا شروع کیا۔ ''بس اتنی سی حقیقت ہے کہ ایک غریب بیوہ ماں کی اکلوتی اولاد کی حیثیت سے میں نے بڑی مشکل سے میٹرک پاس کیا تھا، لیکن آٹھ سال سے یہ ڈگری میری جیب میں پڑی سڑ رہی ہے اور کوئی یہ بھی نہیں پوچھتا کہ مجھے زندہ رہنے کے لیے کسی چیز کی ضرورت ہے یا نہیں۔''

''یہ کوئی نہیں پوچھے گا۔ کیونکہ انسان کی سرشت خودغرضی پر مبنی ہے۔ بہرحال ہمت نہ ہارنا چاہیے، راستہ ٹھیک اور چلنے والا ثابت قدم ہونا چاہیے۔ اس کو منزل مل ہی جاتی ہے۔'' وہ ناصحانہ انداز میں اسے سمجھانے لگا۔ ''تمہیں اس قسم کی غیر قانونی حرکتوں سے بھی احتراز کرنا چاہیے جو تم نے مونجنی میں کی تھی۔''

''مجھے اب قانون وانون کسی چیز کی پرواہ نہیں۔'' بالے کا لہجہ یکایک پرجوش

ہوگیا۔ ''جب میں نوکری کے لیے در در بھٹکتا پھرتا ہوں اس وقت قانون کہاں مرجاتا ہے۔ جب میں مصیبتوں کے بوجھ تلے چیخ اٹھتا ہوں اس وقت یہ قانون کیوں بہرا ہوجاتا ہے۔ جب میں ایمانداری کی زندگی گزارنے کے لیے غلط راستوں پر نہ چل کر فاقے کرنے لگتا ہوں، اس وقت یہ قانون اندھا ہوجاتا ہے۔ مجھے اب نہ اس کی پرواہ ہے اور نہ اس کے چلانے والوں کی۔ اب میں وہی کروں گا جو میرا دل چاہے گا۔ میں آپ کی ہمدردی کے لیے مشکور ضرور ہوں، لیکن آپ کی نصیحتیں اب میرے لیے بے معنی ہیں۔ زندگی میں اتنی ٹھوکریں کھا چکا ہوں کہ اب ٹھوکریں کھانے کو نہیں بلکہ ٹھوکریں مارنے کو جی چاہتا ہے۔''

بالے مٹھیاں بھینچ بھینچ کر کہتا گیا۔ اس کا چہرہ جوش و رعب سے سرخ ہوگیا تھا اور ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اب وہ کسی انقلاب کا نعرہ لگانے والا ہو۔

''میں تمہارے جذبات کا احترام کرتا ہوں، لیکن کیا جرم ہے اگر ایک بار اور تقدیر آزما کر دیکھو۔'' وہ بولا۔

''کس طرح؟'' بالے نے اس کے چہرے پر نظریں گاڑ کر سوال کیا۔

''میں ایک پامسٹ کو جانتا ہوں، تم اس سے ملو۔ مجھے یقین ہے کہ وہ تمہیں تمہارا مستقبل بتا سکے گی اور شاید تم کو کوئی مناسب راستہ بھی بتا دے۔ میں اگرچہ اس سے صرف ایک بار ہی ملا ہوں، لیکن میرا خیال ہے وہ کوئی باکمال عورت ہے۔ اس کی ہر بات پوری اترتی ہے۔''

''عورت ہے؟'' بالے نے چونک کر پوچھا۔

''ہاں۔ کیوں؟'' اس آدمی نے اسے گھورتے ہوئے پوچھا۔

''میں اس ذات پر سرے سے ہی اعتماد نہیں رکھتا۔'' بالے نے برا سا منہ بنا کر کہا۔

''اس ذات میں جنم دینے والی تمہاری ماں بھی شامل ہوگی۔'' میزبان نے طنز کیا۔

''بہرحال تمہارے باغیانہ جذبات سے قطع نظر میرا مشورہ یہی ہے کہ تم اس سے ایک بار مل دیکھو۔'' وہ بولا۔

Akram Allahabadi

''مل لینے میں کوئی حرج نہیں۔میں آپ کے مشورے کا احترام کروں گا۔ویسے کچھ اعتقاد نہیں ہے ان چیزوں پر۔'' بالے نے غیر دلچسپی کا اظہار کیا۔

''میرا نام رتن چند ہے، تمہیں اگر کسی مدد کی ضرورت پڑے تو میرے پاس آنا۔جو کچھ میرے امکان میں ہوگا اس سے دریغ نہ کروں گا۔ویسے اس وقت یہ جیب میں رکھ لو۔'' یہ کہتے ہوئے رتن چند دس دس کے پانچ نوٹ بالے کی طرف بڑھا دیے۔نوٹوں کو بالے نے کچھ ایسی حریصانہ نظروں سے دیکھا، جس طرح کئی دن کا کوئی بھوکا سامنے آنے والی مرغن غذا کو دیکھتا ہے۔

''آپ مجھے شرمندہ کر رہے ہیں۔'' یہ کہتے ہوئے بالے نے وہ نوٹ اس کے ہاتھ سے لے کر جیب میں ڈال لیے۔

''وہ تمہیں ویسٹ اینڈ ہوٹل کے روم نمبر ۲۱ میں ملے گی، لیکن صرف دوپہر کے وقت۔اس کا نام ایلونا پارکر ہے، لیکن وہ خود کو پامسٹ نہیں ظاہر کرتی۔اس کا خیال ہے کہ اس طرح لوگ اس کی قیام گاہ پر ہجوم کر کے اسے پریشان کر ڈالیں گے۔تم بھی پہلے اس سے میرا نام لے کر ملنا، پھر اپنا مدعا بیان کرنا۔'' اس نے بتایا۔

''اچھا ہوتا جو آپ ایک ذرا سی چٹھی لکھ دیتے۔'' بالے کا انداز ملتجیانہ تھا۔

''چٹھی۔'' وہ چونک کر سوچ میں پڑ گیا۔''لیکن شاید وہ اسے پسند نہ کرے۔اس سے بہتر ہے کہ میں اسے فون کیے دیتا ہوں، تم جاؤ۔'' وہ بالے کی بات کو ٹال گیا۔

''بہت اچھا۔میں یہ بھی کوشش کیے لیتا ہوں۔ویسے اس کوشش میں ناکامی کے بعد میں آپ کو تکلیف دینے نہیں آؤں گا۔میں اب دنیا کو تکلیف دوں گا، جس نے آج تک مجھے تکلیف دی ہے۔'' بالے نے اٹھتے ہوئے کہا۔

''تم جاؤ تو سہی، اس وقت تم پر یاسیت مسلط ہے، جب جوش ٹھنڈا ہوگا تو خود اپنا راستہ تلاش کر لوگے۔'' اس نے چمکارنے والے انداز میں کہا۔

Akram Allahabadi

''بہتر ہے، مجھے اجازت دیجیے۔'' وہ اسے رخصتی سلام کرتے ہوئے بولا۔

لیکن رتن چند نے اسے چائے پینے کے بعد ہی جانے دیا۔ اور جس وقت بالے اپنے پیوند دار جوتوں سے روشوں پر شور کرتا ہوا باہر نکل گیا، تو رتن چند کے سنجیدہ چہرے پر ایک مہیب سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

مثلث

انسپکٹر شاہ موقع واردات پر پہنچ چکا تھا۔خان بعد میں پہنچا۔بالے کا اس وقت بھی پتا نہیں تھا۔وارڈن روڈ کے کنارے شیشم کے ایک درخت سے رائے کندن لال کی لاش لٹکی ہوئی تھی۔ایک ۳/۴ انچ موٹی رسی کا پھندا اس کے گلے میں تھا۔آنکھیں حلقوں سے باہر نکل پڑی تھیں اور زبان لٹک رہی تھی۔اس کا پورا بدن ڈھیلا ہو کر نیچے کی طرف جھول گیا تھا۔اس کی لاش بڑی بھیانک نظر آ رہی تھی۔انسپکٹر شاہ کو اس کے اسٹیشن آفس میں اس کی لاش پائے جانے کی خبر صبح ساڑھے پانچ بجے ہی سڑک صاف کرنے والے خاکروب نے دی تھی۔اور اس نے ہی فون پر خان کو مطلع کر دیا تھا۔لاش کو خان کی آمد کے انتظار میں درخت سے نہیں اتارا گیا تھا۔ لوگوں کا ایک ہجوم لگا تھا۔وہ چاروں طرف سے اسے گھیر کر ایڑیوں کے بل کھڑے ہو ہو کر اسے دیکھنے کی کوشش کر رہے تھے اور انسپکٹر شاہ کے علاوہ ایک سب انسپکٹر اور آٹھ سپاہی اسے چاروں طرف سے گھیرے کھڑے تھے۔خان کے آتے ہی انسپکٹر شاہ اٹینشن ہو گیا۔

''کوئی اس کے قریب گیا ہے؟''خان نے آتے ہی پوچھا۔

''میں نے یہ دائرہ بنا دیا ہے۔اس کے اندر ابھی تک کسی کے قدم نہیں گئے ہیں۔'' انسپکٹر اسلم شاہ نے بتایا۔

خان نے ایک نظر اس لاش پر ڈالی اور پھر محدب شیشے سے نیچے کی زمین کا جائزہ لینے لگا۔لکھ پتی سے فقیر ہونے والے کندن لال کے پیروں میں چپلیں تھی جو شاید پھانسی کے پھندا گلے میں لٹکنے کے بعد نیچے گر پڑی تھیں۔وہ اب تک وہیں پڑی تھیں۔زمین ہموار تھی اور اس میں پتھروں کے چوکور ٹکڑے چنے ہوئے تھے۔پھر بھی خان کی باریک نگاہوں نے اس پر کسی کے قدموں کے نشانات برآمد کر ہی لیے، یہ اور بات ہے کہ وہ کندن لال کی ہی چپلوں اور

ایک کسی کے ننگے پیر کا تھا جو دائرے کے نزدیک ہی تھا۔

''یہ اس خاکروب کے پیر کا نشان معلوم ہوتا ہے۔ شاید وہ اس جگہ ٹھٹک کر رک گیا ہو۔'' خان اس نشان کو غور سے دیکھتے ہوئے بڑبڑایا۔ ''بلاؤ اسے۔''

خان کے اشارے پر ہجوم کے سرے پر ایک کانسٹیبل کے ساتھ کھڑا خاکروب سامنے آ گیا۔ اس کے پیر کا ایک پرنٹ لے کر جب اس نشان سے ملایا گیا تو وہ اسی کا نکلا۔

''تم صبح کس وقت آئے تھے؟'' خان نے اس سے پوچھا۔

''حجور، ساڑھے پانچ بجے۔'' خاکروب نے دوسرے افسروں کو خان کے سامنے مؤدب دیکھ کر خوفزدہ لہجے میں بتایا۔

''اس سڑک پر کتنی بار صفائی ہوتی ہے؟''

''حجور، دو بار، ایک صبو (صبح) ایک سانج (شام) کے ساڑھے پانچ بجے۔'' خاکروب نے بتایا۔

''تم جب یہاں آئے تو کوئی بھی نہ تھا، کیوں؟''

''ہاں سرکار۔ مگر ایک دودھ کی گاڑی سڑک پر سے گئی تھی۔''

''چھوٹی یا بڑی؟''

''حجور، چھوٹی ہی تھی۔''

''مسٹر شاہ، کیا یہاں آس پاس کوئی ملک سنٹر ہے؟''

''دودھ کا سنٹر ادھر تو کوئی نہیں، پیڈر روڈ پر ہے۔'' شاہ نے فوراً جواب دیا،

''لیکن پیڈر روڈ کے لیے اس سڑک کا راستہ؟'' خان سوچ میں پڑ گیا۔

''کیا تمہیں ٹھیک سے یاد ہے کہ وہ دودھ کی ہی گاڑی تھی؟''

''سرکار، ویسی ہی چمکدار سفید اور بند گاڑی تھی جیسے المونیم کا ڈبہ۔''

''خیر، جانے دو اسے۔'' خان نے خاکروب کی طرف اشارہ کر کے سب انسپکٹر سے

Akram Allahabadi

کہا۔اور خاکروب سلام کرتا ہوا چلا گیا۔

''لاش کے لیے کیا حکم ہے؟''شاہ نے خان سے پوچھا۔

''ہاں،اب اتروا ؤ اسے۔''خان نے لاش کی طرف دیکھ کر کہا۔

انسپکٹر شاہ کا اشارہ پاتے ہی ایک کانسٹیبل بندر کی طرح اچھل کر درخت پر چڑھ گیا اور اس نے چاقو سے پھانسی کی رسی کو کاٹ دیا۔رسی کے کٹتے ہی وہ لاش دھڑام سے نیچے آ رہی۔ لاش زمین پر اوندھی گری تھی اور اس کی پشت پر جیسے ہی خان کی نظر پڑی وہ چونک پڑا۔اس کی پیٹھ پر تین دائروں کا ایک مثلث بنا ہوا تھا، جب کہ بالے کی رپورٹ کے مطابق کندن لال کی پیٹھ پر اس نے صرف دو دائرے دیکھے تھے۔پھر خان نے پھانسی کی گرہ کو تر چھا کر کے اس کی گردن کو غور سے دیکھنا شروع کیا،اس وقت پولیس فوٹو گرافر بھی آ پہنچا۔درخت سے لٹکی ہوئی لاش کا پہلا فوٹو انسپکٹر شاہ اپنے کیمرے سے ہی لے چکا تھا،کیونکہ فوٹو گرافر دیر سے پہنچا تھا۔خان لاش کا معائنہ کرتا رہا اور فوٹو گرافر مختلف زاویوں سے فوٹو لیتا رہا۔تقریباً دس منٹ میں خان نے اپنا معائنہ ختم کر لیا اور دور ہٹ گیا۔

''ایمبولینس آ گئی ہے کیا؟''اس نے شاہ سے پوچھا۔

''جی ہاں۔''

''لاش کو پوسٹمارٹم کے لیے بھیج دیجیے۔''خان نے ہدایت کی اور اپنی کار کی طرف پلٹ پڑا۔

''اس علاقے کے لوگوں کا خیال ہے کہ اس نے خودکشی کی ہے۔وہ کہتے ہیں کہ اس کی دماغی حالت چند دنوں سے خراب ہو چکی تھی۔وہ اپنا گھر بار سب کوڑیوں کے مول نیلام کر کے بھکاری بن گیا تھا۔اور کسی سے بات چیت تک بھی نہیں کر سکتا تھا۔کوئی ہمدردی کا اظہار کرتا تو اس کو بڑے عجیب اور درشت جواب دیتا تھا۔''انسپکٹر شاہ خان کے ساتھ کار تک آتے ہوئے بتانے لگا۔

Akram Allahabadi

''مجھے معلوم ہے۔'' خان نے سر ہلایا۔

''تو کیا پہلے سے...؟''

''ہاں۔اس کی زندگی میں یہ تبدیلیاں حیرت اور شبے کے لائق تھیں، لیکن آپ سے کوئی پوچھے تو یہی کہیے کہ اس کا دماغ خراب ہو گیا تھا، اس نے خودکشی کر لی۔''

''تو کیا اور کچھ بھی کہا جا سکتا ہے؟''

''سر دست اور کچھ کہنے کے لیے ہمارے پاس کوئی قانونی جواز نہیں ہے۔بہر حال اس کیس پر میری نظر ہے، آپ اتنا ہی کیجیے، جتنا آپ سے کہا جا رہا ہے۔''

''بہت بہتر۔''

خان نے کار اسٹارٹ کر دی۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

حسین پامسٹ

بالے ویسٹ اینڈ ہوٹل کے روم نمبر ۲۱ کے دروازے کی گھنٹی بجا رہا تھا۔ بالآخر تیسری گھنٹی پر دروازہ کھل گیا۔ وہ ایک نیم مغربی سی مشرقی لڑکی تھی۔ اس وقت ایک سبز رنگ کے گاؤن میں ملبوس تھی۔ عمر سے وہ کوئی ۲۳۔۲۴ سالہ لڑکی معلوم ہوتی تھی، لیکن اس کے چہرے کے خدو خال اور اس جسمانی تناسب نے ہر طرح جاذبِ نظر بنا دیا تھا۔ اس نے بالے کو کچھ ایسی نظروں سے دیکھا، جیسے اسے کوئی ہوٹل کا ملازم سمجھ رہی ہو۔

''کیا ہے؟'' اس نے پوچھا۔

''جی وہ..وہ کیا مس پارکر آپ ہی ہیں؟'' بالے نے اٹکتے ہوئے کہا۔

''ہاں۔ لوگ یہی کہتے ہیں۔ مگر تم کون ہو؟'' مس پارکر دروازے سے ہٹتے ہوئے بولی۔

''مجھے مسٹر رتن چند نے بھیجا ہے۔'' بالے نے کسی قدر جھجک کر اس سے کہا۔

''رتن چند؟'' وہ سوچ میں پڑ گئی۔ ''اوہ ہاں، تو تمہارے لیے ہی فون کیا تھا اس نے۔''

''جی ہاں، میرے لیے ہی کیا ہوگا، وہ کہہ رہے تھے۔''

''وہ پرلے درجے کے گدھے ہیں۔'' نوجوان خاتون نے روکھے لہجے میں کہا۔ ''پامسٹری میرا ذاتی شوق ہے۔ میں اس لائن میں قطعی شہرت نہیں چاہتی، پھر بھی لوگ مانتے نہیں۔''

''میڈم، اگر آپ بھی میری بے عزتی کرنا چاہتی ہیں تو مجھے اجازت دیجیے۔ میں معمولی آدمی سہی، لیکن اب میں اس نفرت کو برداشت نہیں کر سکتا، جو دنیا غریبی اور بے چارگی

سے کرتی ہے۔'' پر جوش لہجے میں بالے یہ کہہ کر اٹھنے لگا۔جس پر وہ مسکرا دی۔

''میں نے تمہیں تو کچھ نہیں کہا، بیٹھو۔''اس نے بالے کے کندے پر ہاتھ رکھ دیا۔ اس کا یہ انداز ہی کچھ ایسا تھا کہ ایک بار تو بالے کو وشوامتر جی یاد آ گئے، لیکن اس نے اپنے موڈ میں بے تعلقی برقرار رکھی۔

''میں تمہارے لیے اس سے زیادہ کچھ نہیں کر سکتی کہ تمہارے مستقبل کے بارے میں کچھ بتا سکوں، وہ بھی اس شرط پر کہ تم دوسروں سے اس کا ذکر نہیں کرو گے، کیونکہ میں کوئی پیشہ وار پامسٹ نہیں ہوں۔''

''نہیں کروں گا۔''بالے نے وعدہ کیا۔

''تو میرے ساتھ آؤ۔'' یہ کہتے ہوئے وہ لہراتی ہوئی اٹھی اور خرام ناز سے چلتی ہوئی ایک دوسرے کمرے میں داخل ہو گئی۔یہ کمرہ پہلے کمرے سے چھوٹا، ٹھنڈا اور تاریک تھا۔اس نے ایک قتل کر دینے والی ادا سے پلٹ کر بالے کی طرف دیکھا اور پھر اسے ایک صوفے پر بیٹھ جانے کا اشارہ کیا۔بالے اجنبیوں کی جھجک کے ساتھ اس پر آہستہ سے بیٹھ گیا۔اور وہ اس کے سامنے ہی ایک تپائی پر بیٹھ کر اس کا ہاتھ دیکھنے لگی۔

اس نے اور تو جو باتیں بتائیں، وہ ہاتھوں کی لکیروں کی جنرل میلنگ تھی۔وہی جو پامسٹری میں مختلف قسم کی لکیروں کے لیے مقرر کردہ ہے، لیکن ہاتھ دیکھتے دیکھتے وہ ایک بار بالے کی آنکھوں میں گھورنے لگی۔بالے مجسم سنجیدگی بنا ہوا تھا، بلکہ اس کے چہرے کے تاثرات بتا رہے تھے کہ وہ اس میں گہری دلچسپی لے رہا ہے۔پھر اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سی کیفیت جھلکنے لگی، جیسے کوئی سحر زدہ آدمی۔مس پارکر نے ہاتھ دیکھتے ہوئے جب دو تین بار اس کی ہتھیلی کو دبا کر الٹ پلٹ کیا تو اسے جھرجھری سی آ گئی۔

''تمہاری سمجھ میں آیا، میں نے جو کچھ بتایا ہے؟''مس پارکر اس سے پوچھ بیٹھی۔

''جج...جی...جی ہاں...ہاں...''بالے نے جیسے کسی گہرے تخیل سے چونک کر کہا۔

''میں نے کیا کہا ہے؟'' وہ اسے گھور کر پوچھنے لگی۔

''جی ...وہ...یعنی کہ میرے حالات یکساں نہیں رہیں گے۔'' بالے نے بوکھلاہٹ کا اظہار کیا۔

''تمہارا نام کیا ہے؟'' وہ مسکرائی۔

''نے ننگ وام۔''

''کیا؟'' اس کی سمجھ میں نہ آیا۔

''ویسے تو مجھے خواجہ بز رچمبر کہتے ہیں، لیکن میں نے اپنا نام خود شرافت علی چھوڑ رکھا ہے۔''

''بڑا خشک نام ہے تمہارا۔'' وہ پھر مسکرائی۔

''یہ خاندانی قصور ہے۔میرے آباؤاجداد بڑے کٹر قسم کے مذہبی آدمی تھے، صرف مجھے ہی مصیبتوں نے ہر چیز سے باغی کر دیا ہے اور اب میں کسی بھی اصول، قانون یا سماج کا پابند نہیں ہوں۔سب ڈھکوسلے ہیں، بکواس۔'' وہ نفرت انگیز لہجے میں سر کو جھٹک کر بولا۔

''آدمی دلچسپ معلوم ہوتے ہو، لیکن کچھ کم ہمت بھی ہو۔یعنی کہ میں بزدل تو نہیں کہہ رہی۔''

''ابھی تک میں راستی کی زندگی بسر کرنے کی کوشش کر رہا تھا اور اس نے مجھے بزدل بنا دیا تھا۔لیکن میری ہمت دیکھنی ہے تو آج کے بعد دیکھیے گا۔کاش، میرے پاس ایک ایٹم بم ہوتا تو میں ساری دنیا کو تباہ کر کے رکھ دیتا۔یہ مکار دنیا۔'' وہ دانت پیسنے لگا۔

''ایک ایٹم بم سے ساری دنیا تباہ نہیں ہو سکتی، بھولے آدمی۔'' وہ ہنس پڑی۔

''نہ سہی، لیکن میری حسرت تو پوری ہو جاتی۔''

''اس کے لیے بہت سے طریقے ہیں، مگر یہ تمہیں جھرجھریاں کیوں آ رہی ہیں۔'' وہ پھر اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولی۔

Akram Allahabadi

''آپ نے میرا ہاتھ جو تھام رکھا ہے، نہ جانے مجھے کیا ہو رہا ہے؟'' وہ ایک اور جھرجھری مار کر بولا۔

''چھوڑ دوں؟'' مس پارکر نے قاتل مسکراہٹ کے ساتھ پوچھا۔

''میں ہو بھی کس قابل۔'' بالے نے لمبی سی سرف آہ کھینچ کر یہ کہتے ہوئے اپنا ہاتھ ڈھیلا کر دیا۔

''اگر ہو نہیں تو بن سکتے ہو۔ میں دیکھ رہی ہوں کہ تمہارا مستقبل بہت روشن ہے۔'' وہ تقریباً سرگوشی کے لہجے میں بولی۔

''کیا یہ سچ ہے؟'' بالے مبہوت سی کیفیت میں کہنے لگا۔

''میری پیشین گوئی ہے۔'' وہ اس کے ہاتھ کو دبا کر غور سے دیکھتے ہوئے بولی۔ ''کہ تمہیں عنقریب ایک ایسا آدمی ملے گا جو تمہاری دنیا بدل دے گا۔ تم لکھ پتی بن جاؤ گے۔ زندگی کی تمام مسرتیں تمہاری غلام ہونگی، لیکن... لیکن...'' کہتے کہتے وہ رک گئی۔

''لیکن کیا؟'' بالے نے جلدی سے پوچھا۔

''لیکن اس وقت تم مجھے بھول جاؤ گے۔ سب بھول جاتے ہیں۔ میں نے کتنوں کو ان کی تقدیریں بتائی ہیں۔'' یہ کہتے ہوئے مس پارکر کا لہجہ افسوس زدہ سا ہو گیا۔

''آپ کو... ارے لعنت ہے بھولنے والے پر۔ اگر ایسا ہے تو میں لکھ پتی ہی نہیں بننا چاہتا۔'' بالے کے لہجے میں شدید قسم کی رومانیت جھلک رہی تھی۔

''نہیں۔ نہیں، تمہاری تقدیر میں جو ہے وہ تو مل کر ہی رہیگا۔ تم ایسا نہیں کر سکتے، لیکن ممکن ہے تمہیں کامیابی تک پہنچنے کے لیے خطرات سے دوچار ہونا پڑے۔''

''میں کسی خطرے سے نہیں ڈرتا۔ جسے زندگی کی پرواہ نہ ہو وہ کسی سے کیا ڈریگا۔''

''لیکن تمہیں زندگی کی پرواہ کرنی ہوگی۔''

''کیوں؟''

Akram Allahabadi

''کیونکہ میں تمہارا انتظار کروں گی۔''

''کیا میں یقین کرلوں اس پر؟''

''ہاں، تم اور تمہاری سادگی دونوں مجھے بہت پسند ہیں۔''

بالے نے جواب دینے کی بجائے اس کے دونوں ہاتھ پکڑ لیے اور دوسری طرف سے کوئی مزاحمت نہ دیکھ کر انہیں چوم بھی لیا۔

''اب تم جاؤ اور اپنی تقدیر کے بدلنے کا انتظار کرو۔'' وہ یہ کہہ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

''کتنے دن لگیں گے اس میں؟''

''ہوسکتا ہے کہ کل ہی، ممکن ہے آج ہی یا شاید کچھ دن لگ جائیں۔'' اس نے مبہم سا جواب دیا۔

''تو اس لیے مجھے کیا کرنا چاہیے؟''

''قسمت میں لکھے ہوئے حالات آپ سے آپ واقع ہوا کرتے ہیں، لیکن جو کچھ ہوگا اچانک ہوجائے گا۔ اس طرح ہوجائے گا کہ تم خود حیران رہ جاؤ گے۔''

''کاش اتنی پامسٹری مجھے آتی ہوتی تو میں ہٹلر بن جاتا۔''

''یہ صرف میرا ذاتی مشغلہ ہے، پیشہ یا عمل نہیں۔''

''آپ کو شاید ناگوار گزرا؟''

''نہیں تو۔'' وہ ہنس پڑی۔

پھر وہ خود اسے دروازے تک چھوڑنے آئی اور جب بالے دروازے سے نکلنے لگا تو اس نے ایک اور محبوبانہ مسکراہٹ اس کی طرف پھینکی۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

پہلا دائرہ

''تم کندن لال کے ملازم ہو؟'' خان نے سامنے کھڑے ہوئے ایک تیس سالہ آدمی سے سوال کیا۔

''جی ہاں، حضور۔ میرا نام رام اوتار ہے۔''

''تم کب سے اس کی نوکری کر رہے ہو؟''

''سرکار، دو سال آٹھ مہینے۔''

''تمہیں مہینے اور دن تک یاد ہیں۔'' خان نے چبھتی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

''حضور، جب انھوں نے مجھے نوکری سے نکالا تھا تو میں نے انھیں جوڑ کر بتایا تھا کہ میں اتنے دنوں سے آپ کی خدمت کر رہا ہوں، مجھے اس طرح نہ نکالیے۔'' ملازم نے جلدی سے صفائی پیش کی کہ شاید وہ سمجھتا تھا کہ پولیس والے بال کی کھال نکالتے ہیں۔

''کس طرح؟''

''بس ایک رات ان سے ایک میم صاحب ملنے آئیں۔ اور دوسرے دن ہی انھوں نے ہم نوکروں کو یہ کہہ کر نکال دیا کہ ان کا بیوپار ایک دم فیل ہو گیا ہے۔ وہ اب ہمیں نہیں رکھ سکتے۔ میں نے کہا بھی سیٹھ جی برے بھلے دن سب پر آتے ہیں، ہم آپ کا ساتھ دیں گے، مگر وہ نہ مانے۔''

''اور بھی کوئی نوکر تھا کیا؟''

''حضور، ایک مدراسی تھا جو باہر کے کام کرتا تھا۔ میں اندر ہی رہتا تھا۔''

''کندن لال اکیلا ہی رہتا تھا نا؟''

Akram Allahabadi

''جی ہاں، حضور۔ سنا ہے ان کی پتنی کی کوئی اولاد نہیں ہوئی تو سیٹھ جی نے انھیں ان کی ماں کے گھر بھیج دیا۔ جب سے نہ وہ لوٹ کر آئیں اور نہ کبھی سیٹھ جی کا کوئی رشتے دار آیا۔''

''وہ مدراسی کہاں ہے؟''

''چلے جانے کو کہہ رہا تھا، چلا گیا ہوگا۔''

''یہ کتنے دنوں کی بات ہے؟''

وہ خان کے اس سوال کے جواب میں انگلیوں پر گننے لگا۔

''حضور، دس اور پانچ، پندرہ دن ہو گئے۔''

''اس کے بعد تمھیں کندن لال کہیں دکھائی دیا تھا؟''

''ایک دن دیکھا تھا، حضور۔ مگر... مگر... اسی دن انھیں دیکھ کر یہ سمجھ میں آیا کہ سیٹھ جی پاگل ہو گئے ہیں۔ حضور، انھیں اولاد نہ ہونے کا بڑا رنج تھا۔ اسی سے پاگل ہو گئے ہونگے۔''

''تم نے انھیں کہاں دیکھا تھا؟''

''حضور، وارڈن روڈ پر یا شاید پیڈر روڈ پر۔''

''کس حال میں تھے؟''

''حضور، وہ میلے پھٹے کپڑے پہنے تھے۔ پیروں میں وہ چپل تھی، جو مدراسی پرانی سمجھ کر چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ میں تو پہلے پہچانا ہی نہیں، مگر وہیں کے ایک آدمی نے بتایا کہ تمہارا سیٹھ پاگل ہو گیا ہے اور میں نے غور سے دیکھ کر سیٹھ جی کو پہچان لیا۔''

''یہ کیسے کہہ سکتے ہو کہ وہی تھے؟''

''وہی تھے، حضور۔ میں نے جب سیٹھ کی کہہ کر انھیں پکارا تو وہ چونک کر میری طرف دیکھنے لگے تھے، لیکن منہ سے کچھ بولے نہیں۔

''کیا کر رہے تھے وہ اس وقت؟''

''فٹ پاتھ کے کنارے ایک پیڑ سے ٹکے بیٹھے تھے۔''

Akram Allahabadi

''اس کے بعد تم نے انھیں دیکھا نہیں؟''

''نہیں، حضور۔ میں کام دھندے کی تلاش میں لگا ہوا تھا۔''

''خیر، ہاں تو تم نے بتایا تھا نا کہ تمھیں نوکری سے نکالنے والے دن سے پہلے ایک میم صاحب ان سے ملنے کے لیے آئی تھیں؟'' خان نے نرم لہجے میں اس سے پوچھا۔

''جی ہاں، حضور۔ وہ ایک بار پہلے بھی آ چکی تھیں۔ صاحب ان کی بہت آؤ بھگت کرتے تھے، بلکہ ہم لوگ تو سمجھ رہے تھے کہ سیٹھ جی ان سے دوسری شادی کرنے والے ہیں۔''

''ان میں کیا باتیں ہوتی تھیں؟''

''حضور، یہ تو معلوم نہیں، لیکن جب میں چائے کی ٹرے اندر رکھنے جا رہا تھا تو میں نے ایک دو جملے ضرور سنے تھے۔''

''کیا؟''

''میم صاحب سیٹھ جی سے کہہ رہی تھیں تم نے اپنے ہاتھوں سے اپنی قسمت خراب کی ہے، یہ کچھ نہ رہ جائے گا، تم کو بھکاری بننا پڑے گا۔''

''اچھا۔'' خان نے حیرت کا اظہار کیا۔ ''اور سیٹھ جی کیا کر رہے تھے؟''

''ان کا منہ اتر گیا تھا، صاحب۔ مگر مجھے دیکھ کر وہ زبردستی ان سے ہنس ہنس کر باتیں کرنے لگے تھے۔''

''وہ کب تک وہاں رہی تھی؟''

''بس کوئی آدھ گھنٹے تک۔ پھر سیٹھ جی نے انھیں روکنا بھی چاہا، مگر وہ چلی گئیں۔ وہ کچھ غصے میں معلوم ہوتی تھیں۔ حضور، سیٹھ جی نے ضرور شادی کی بات کی ہوگی۔ میم صاحب نے انکار کر دیا ہوگا۔ سیٹھ جی نے اس لیے پاگل ہو کر اپنا ستیاناس کر لیا ہوگا۔''

''میں تم سے تمہاری رائے نہیں پوچھ رہا ہوں۔'' خان نے اسے گھورا اور وہ سہم کر خاموش ہو گیا۔

Akram Allahabadi

''کندن لال نے اپنا سامان وغیرہ تمہارے سامنے نیلام کیا تھا؟''

''ہاں، حضور۔ میں اپنا حساب لے کر بھی اس وقت تک وہیں ٹھہرا رہا تھا۔''

''نیلام میں کون کون تھا؟''

''محلے کے کچھ لوگ تھے اور چھ سات آدمی باہر سے آئے ہوئے تھے۔''

''سامان کس کس نے خریدا تھا؟''

''حضور، باہر کے آدمیوں میں سے ہی ایک آدمی نے سامان سمیٹ فلیٹ تک کی بولی لگا دی تھی۔''

''کتنی؟''

''پانچ ہزار تھی شاید۔''

''سامان تو بہت رہا ہوگا؟''

''بہت بھی نہیں تھا اور کم بھی نہیں تھا، مگر محلے والوں سے کچھ لوگوں نے تو دس ہزار تک کی بولی بول دی تھی۔''

''اور دیا اس نے پانچ ہزار والے کو؟''

''جی ہاں، حضور۔ سیٹھ جی کی یہی مرضی تھی۔ اسی سے تو لوگوں کو ان کے پاگل ہونے کا شبہ ہوا تھا اور بعد میں تو وہ پورے ہو ہی گئے تھے۔''

''لینے والے کا نام کیا تھا؟''

''یہ مجھے معلوم نہیں، حضور۔ لیکن سیٹھ جی کے پہچان والا تو نہیں معلوم ہوتا تھا۔ وہ روکھی روکھی باتیں کر رہا تھا۔''

''کیسا آدمی تھا؟''

''اچھا، تگڑا سا، گال پھولے ہوئے، آنکھیں بڑی بڑی، رنگ سانولا تھا اور قیمتی سوٹ پہنے ہوئے تھا۔''

Akram Allahabadi

''اور کوئی خاص بات بھی دیکھی تھی تم نے؟''

''اور..اور تو کوئی بات نہیں ہوئی۔''

''ٹھیک سے سوچو۔شاید کچھ بھول رہے ہو۔'' خان اس کے چہرے پر نظریں گاڑ کر بولا۔

''نہیں، حضور۔اور تو کچھ نہیں۔''

''اس میم صاحب کے ملنے سے نیلام کے وقفے تک میں کچھ ہوا ہو۔سوچو...سوچو...'' خان نے اسے دلاسا دے کر کہا۔

''ارے ہاں، صاحب۔یاد آ گیا۔مگر...مگر وہ کیا بات ہوگی؟''

''بتاؤ تو؟''

''حضور، سیٹھ جی سویرے سو کر اٹھے تھے تو ان کی قمیض کی پیٹھ پر ایک گول سا ہرا نشان بنا ہوا تھا، جیسے کسی نے پرکار سے دائرہ بنا دیا ہو۔''

''نشان؟ صرف ایک دائرہ نا؟''

''جی ہاں، حضور۔مجھے اچھی طرح یاد ہے۔''

''کس نے اس پر انھیں توجہ دلائی تھی؟''

''مدراسی نے بتایا تھا، حضور۔اور پہلے تو وہ اسے دیکھ کر چونک پڑے تھے، مگر پھر ہنس کر کہنے لگے تھے کسی دوست کی شرارت ہے۔''

''کیا تم اس میم صاحب کو پہچان سکتے ہو؟''

''دیکھوں گا تو پہچان لوں گا، حضور۔''

''اچھا یہ دیکھو۔'' خان نے جیب سے ایک تصویر نکال کر اسے دکھائی۔یہ اس تصویر کی کاپی تھی جو خان بالے کو دے چکا تھا۔

''یہی تو تھی، حضور۔بالکل یہی۔'' وہ اسے دیکھتے ہی بول اٹھا۔

Akram Allahabadi

''کیا تمہیں اس مدراسی کا پتا معلوم ہے؟''

''نہیں، حضور۔''

''اس کے ملنے والے کو پہچانتے ہو؟''

''نہیں، حضور۔ مگر کسی ویسٹنڈ ہوٹل میں کوئی بیرا اس کا رشتے دار تھا جس سے وہ کبھی کبھی ملنے جایا کرتا تھا۔''

''خیر، تم جا سکتے ہو۔ اور ہاں، کسی سے یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ ہم نے تمہیں بلا کر تم سے کیا کیا پوچھا یا تم نے کیا کیا بتایا ہے۔ سمجھے، ورنہ سیدھے حوالات میں نظر آؤ گے۔'' خان نے اسے تنبیہہ کی۔

''نہیں، حضور۔ کبھی نہیں۔'' اس نے سہم کر کہا اور سلام کر کے پیچھے ہٹتا ہوا باہر نکل گیا۔ خان نے اس کے جاتے ہی گھنٹی بجائی اور چپراسی اندر آ پہنچا۔

''ڈیسوزا صاحب کو سلام بولو۔'' خان نے اس کی طرف دیکھے بغیر حکم دیا۔

چپراسی فوراً ہی چلا گیا۔ اور دو منٹ بعد ہی خان نے انسپکٹر ڈیسوزا کی ایڑیاں بجنے کی آواز سن کر سر اٹھایا۔

''ہیلو۔'' خان نے مسکرا کر کہا۔

''آپ نے یاد فرمایا ہے؟''

''ہاں۔ وہ دیکھیے ویسٹ اینڈ ہوٹل میں روم نمبر ۲۱ میں یہ لڑکی ملے گی۔ اچانک پہنچ کر اسے اپنے ساتھ کار میں یہاں لے آیئے۔''

''آپ کے آفس میں؟''

''نہیں۔ انویسٹی گیشن روم میں بٹھا کر مجھے خبر کر دیجیے گا۔''

''بہتر ہے۔ میں ابھی جاتا ہوں۔''

''شام کا وقت زیادہ موزوں رہے گا۔'' خان نے ہدایت کی۔

Akram Allahabadi

''تو ۵ بجے؟''

''ٹھیک ہے۔'' خان یہ کہہ کر اپنے کاغذات دیکھنے لگا۔ ڈیسوزا کے جاتے ہی اسے شاید پھر کچھ یاد آ گیا۔ اس نے فون کے نمبر ڈائل کرنا شروع کیے۔

''ہیلو۔'' دوسری طرف سے آواز آئی۔

''شاہ صاحب کو بلاؤ۔'' خان نے حکم دیا۔

ایک منٹ بعد ہی انسپکٹر شاہ فون پر آ پہنچا۔ ''یس، سر۔ شاہ اسپیکنگ۔'' اس کی آواز سنائی دی۔

''دیکھیے، آپ کے علاقے میں وارڈن روڈ پر کندن لال کا فلیٹ ہے۔ اس پر خفیہ نگرانی قائم کرا دیجیے۔ فلیٹ اب کس نے لیا ہے، کس طرح لیا ہے اور کون رہتا ہے۔ مجھے جلد از جلد اس کی مفصل رپورٹ چاہیے۔'' خان نے کہا۔

''بہتر ہے۔ میں ابھی انتظام کرتا ہوں۔'' شاہ نے جواب دیا۔

''کندن لال کے بارے میں کچھ اور معلوم ہوا؟''

''جی نہیں۔ سب یہی کہتے ہیں کہ اس نے پاگل ہو کر خودکشی کر لی ہے۔ البتہ کچھ لوگ ایک ایسی جوان لڑکی کا ذکر ضرور کرتے ہیں، جسے انھوں نے دو تین بار کندن لال کے پاس آتے دیکھا تھا۔'' شاہ نے بتایا۔

''وہ مجھے معلوم ہے۔ آپ بھی اتنا ہی کیجیے۔'' یہ کہہ کر خان نے رسیور رکھ دیا۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

پراسرار لوگ

بالے نے اپنی ظاہری حیثیت کے مطابق اپنی نشست کے لیے ایک تھرڈ کلاس ہوٹل کا انتخاب کیا تھا۔اس ہوٹل میں زیادہ تر ایسے لوگ بیٹھا کرتے تھے جن کا بجٹ چار آٹھ آنے سے زیادہ نہ ہو۔اسے ایک طرفہ ستم ظریفی سمجھا جا سکتا تھا کہ اتفاق سے اسے بہ مشکل ۳۰ فٹ لمبے اور ۲۰ فٹ چوڑے ہوٹل کا نام 'شاندار ہوٹل' رکھا گیا تھا۔ورنہ اس کی شان تو بسکٹوں کے خالی ڈبوں کے علاوہ ان زنگ آلود لوہے کی کرسیوں سے ہی ظاہر تھی، جو کسی کباڑی کی دکان سے خریدی گئی معلوم ہوتی تھیں۔

اس کی داڑھی کے بال اب بھی بڑھے ہوئے تھے۔البتہ لباس اس نے پہلے سے ستھرا پہن رکھا تھا۔اس کے بدن پر صرف ایک پتلون تھی اور ایک جیکٹ جو چور بازار کی کسی دکان سے خریدی گئی معلوم ہوتی تھی۔مس پارکر سے کل کی پوری ملاقات کی تفصیلی رپورٹ پیش کر دینے کے بعد اسے خان کی طرف سے یہی ہدایات ملی تھی کہ وہ اپنے ماحول سے قطعی بے تعلق ہو کر ادھر ادھر بھٹکتا پھرے اور پردۂ غیب سے ظہور میں آنے والے واقعات کا انتظار کرے۔

اس وقت بھی وہ اسی انتظار میں تھا کہ دیکھیں مداری کے پٹارے سے کیا برآمد ہوتا ہے۔اس نے صبح کا ناشتہ بھی اس ہوٹل میں کیا تھا اور دوپہر کے وقت اگرچہ ہوٹل میں سناٹا چھایا ہوا تھا، وہ اکیلا ہی ایک پرانی سی گندی میز پر انگلیوں سے بینڈ بجا رہا تھا۔ہوٹل کے مالک کے لیے یہی غنیمت تھا کہ اس کے ایک نئے گاہک کا اضافہ ہوا تھا۔وہ بالے کو کئی بار غور سے دیکھ چکا تھا، لیکن ہر مرتبہ اس کی نگاہوں میں رحم اور ہمدردی کے ہی جذبات پائے گئے۔وہ بالے کو شاید کوئی مصیبت کا مارا پردیسی ہی سمجھ رہا تھا۔اس کے برخلاف وہ موٹا سا ٹیبل بوائے کئی بار اسے

کھاجانے والی نظروں سے گھور چکا تھا، جیسے ہوٹل میں ایک بھی گاہک کے بیٹھے ہونے پر نہ باہر جانے کی اجازت ملتی نہ ایک آدھ گھنٹے سو لینے کی۔ آخر اس سے نہ رہا گیا تو وہ بالے کو ٹوک ہی بیٹھا۔

''اے بھائی، یہ ہوٹل ہے، للو بھائی کی سرائے نہیں ہائے۔''

''تو پھر؟'' بالے نے پوچھا۔

''گلے پر پیسہ چکاؤ اور رستہ ناپو۔''

''کیسے ناپتے ہیں رستہ؟''

''لو، اب میں بھی یہی بتاؤں گا۔''

''بتادو نا، یار۔ دو چار گز تمہیں بھی ناپ دوں گا۔''

''اے بھائی، اپنے سے دادا گیری نہیں، ہاں۔'' ٹیبل والا سینہ پھلا کر بولا۔

''اچھا چلو ڈر گیا، بس۔'' بالے نے ہنس کر کہا۔

''ایک بیڑی ہوئینگا۔'' ٹیبل والے نے آہستہ سے اس سے پوچھا۔

''سگریٹ پیو۔'' بالے نے جیب سے اسے سگریٹ نکال کر دیدی۔

''ارے واہ یار، میں تو تمہیں کڑکا سمجھا تھا بالکل۔''

''کڑکی تو ہے۔'' بالے ٹھنڈی سانس کھینچ کر بولا۔ ''مگر ایسی بھی نہیں۔''

''پیسے کمتی ہوں تو میں گول مال کردوں؟'' ٹیبل والے نے ہمدردی جتائی۔

بالے اس کی پیش کش پر ہنس پڑا، لیکن اس وقت ہوٹل کے دروازے پر ایک کار کو بریک لگا کر روکنے کی آواز نے انھیں چونکا دیا۔ ہوٹل والے کی زندگی میں تو کبھی ایسا موقع نہیں آیا تھا کہ اس کی دکان میں کبھی کوئی کار والا گاہک آیا ہو۔ کار ہوٹل سے ذرا آگے بڑھا کر کھڑی کی گئی تھی۔ اور بالے نے دیکھا کہ اس میں سے ایک آدمی اتر کر اس ہوٹل میں آرہا تھا۔ وہ موٹی توند والا، اوسط قد و قامت کا آدمی تھا۔ اس کی رنگت سانولی تھی اور کسی ڈبل روٹی کی طرح پھولے پھولے چہرے پر اس کے جبڑے دونوں طرف لٹک رہے تھے۔ وہ ایک سیاہ عینک

آنکھوں پر چڑھائے ہوئے تھا۔ہاتھ میں ایک چھڑی تھی۔جسے نہ نرم و نازک کہا جا سکتا تھا نہ فربہ اندام۔اس نے ہوٹل میں داخل ہوتے ہی پہلے بالے پر نظر ڈالی پھر ہوٹل کے مالک پر۔ پھر وہ آگے بڑھ کر بالے والی میز پر ہی آ بیٹھا۔ہوٹل کا ایک ٹیبل والا موٹر والے گاہک سے اچھی بخشش ملنے کی امید میں دوڑ کر قریب آ چکا تھا۔

''کیا چاہیے، سیٹھ؟''اس نے بڑے مؤدب اور خوشامدانہ لہجے میں پوچھا۔

''کوئی ٹھنڈی چیز لاؤ...اور...مسٹر آپ کیا پئیں گے؟''اس نے بالے سے پوچھا۔

اس غیر متوقع اور براہِ راست سوال پر بالے چونک پڑا۔

''میں...جی کچھ نہیں۔''

''نہیں۔میں اپنے ساتھ بیٹھے لوگوں کو اس طرح معاف نہیں کرتا۔تم کو کچھ نہ کچھ پینا ہی پڑے گا۔''وہ اسرار کرنے لگا۔

''تو پھر تھوڑا سا زہر منگوا دیجیے۔''

''کیوں؟''وہ آدمی چونک پڑا۔

''اب وہی پینے کو باقی رہ گیا ہے۔''

''بہت پریشان معلوم ہوتے ہو؟''

''پریشانی کی ایسی تیسی۔''بالے جھلا گیا۔''میں اب کوئی پریشانی وریشانی اٹھانے کے لیے تیار نہیں ہوں۔''بالے کا لہجہ نفرت انگیز تھا۔

''آخر کچھ تو بات ہوگی۔شاید تمہارے کسی کام آسکوں۔''

''میں چھ برس سے نوکری کے لیے در در کی ٹھوکریں کھا رہا ہوں۔میرے بیوی بچے فاقے کر کے مر گئے اور کسی نے نہ پوچھا مجھے۔اب اس دنیا سے ذرہ بھر ہمدردی نہیں ہے۔دنیا والوں کے یہ مگرمچھ کے آنسو میں بہت دیکھ چکا ہوں۔''

''بہت دل جلے معلوم ہوتے ہو؟''

Akram Allahabadi

''تو آپ کیا کرلیں گے؟''

''خیر، پہلے تم کچھ پیا تو منظور کرلو، بعد میں جو کہنا چاہو کہہ لینا۔''

اس کے اصرار پر بہرِ صورت بالے کو آرنج کی ایک بوتل حلق میں خالی کرنی ہی پڑی۔ پھر ایسا معلوم ہوا جیسے ٹھنڈے کی ایک بوتل پی کر اس کا غصہ بھی ٹھنڈا ہو گیا ہو۔

''معاف کیجیے گا میں نہ جانے کیا بک رہا تھا۔ آج کل میں ذرا ذہنی طور پر پریشان ہوں۔'' اس نے محجوب لہجے میں کہا۔

''کوئی بات نہیں۔ اکثر ایسا ہوتا ہے۔ بہر حال تم میرے ساتھ چلو میں تمہاری مدد کروں گا۔''

بالے نے جواب میں کچھ نہ کہا۔ وہ آرنج پی کر اٹھ پڑے۔ سانولے آدمی نے بل چکا دیا اور بالے کو ساتھ لے کر باہر نکل گیا۔ بالے نے پھر کسی قسم کا تکلف نہیں کیا۔ باہر ایک کار موجود تھی۔

''بیٹھ جاؤ۔'' وہ آدمی بولا اور بالے نے ایک نظر اس پر ڈال کر کار میں بیٹھ گیا۔ کار میں ایک آدمی پہلے سے موجود تھا، جو اس وقت کار ڈرائیو کر رہا تھا اور بالے اس سانولے رنگ کے پراسرار اجنبی کے ساتھ پچھلی نشست پر بیٹھا تھا۔ ان کی کار مختلف راستوں سے گزرتی ہوئی ٹیمپل اسٹریٹ کے ایک بڑے گودام کے سامنے رک گئی۔ یہ ایک بڑا سا شیڈ تھا جس کے پچھلے حصے میں کچھ آفس وغیرہ اور اور ایک احاطہ بھی تھا۔ یہ علاقہ شہر کی آبادی سے الگ تھلگ اور پرسکون تھا۔ گودام پر باہر بڑے بڑے انگریزی حروف میں پینٹ کیا ہوا تھا، 'بین ٹیکس کروڈ آئل (Bentex Crude Oil)۔ کار اس کے احاطے میں داخل ہو کر شیڈ کے پچھلے حصے کی طرف مڑ گئی۔

کار سے اترنے کے بعد وہ پچھلے حصے کے ایک چھوٹے سے بنگلہ نما حصے میں داخل ہو گئے، جس کے دروازے پر عشقِ پیچاں کی بیل منڈھی ہوئی تھی۔ یہاں ایک درشت سی شکل کا

تندرست آدمی محافظ کی سیاہ وردی پہنے دروازے پر موجود تھا۔اس کی بیلٹ میں پستول لٹک رہا تھا اور سینے پر پیتل کی ایک پٹی لگی تھی، جس پر 'سیکیورٹی آفیسر' کے انگریزی حروف ڈھلے ہوئے تھے۔اس سانولے آدمی کو دیکھ کر وہ ایک طرف کو ہٹ گیا۔

''اندر چلے آؤ۔'' سانولا آدمی پلٹ کر بالے سے یہ کہتا ہوا خود دروازے میں داخل ہوگیا۔اندر داخل ہوتے ہی وہ چونک پڑا۔اس پہلے کمرے میں ایک میز پر ایک نائپسٹ لڑکی بیٹھی کچھ ٹائپ کر رہی تھی۔اس کے قدموں کی آہٹ سن کر جیسے ہی سر اٹھایا، بالے نے اس کو پہچان لیا۔وہ کیٹی تھی اور اس نے بڑی صفائی سے خود کو ایک سفید رنگ اینگلو انڈین لڑکی کی حیثیت میں بدل رکھا تھا۔بالے پر نظر پڑتے ہی وہ اسے گھورنے لگی، لیکن اس میک اپ میں بالے کو پہچان لینا مشکل کام تھا۔وہ اسے کوئی اجنبی ہی سمجھی اور اس پر جب سامنے سے گزرتے ہوئے بالے نے اسے آنکھ ماردی تو وہ غصے میں بھنا کر اپنی کرسی میں پہلو بدلنے لگی۔کیٹی کو دیکھ لینے کے بعد بالے کے ذہن میں جو خیال پیدا ہوا تھا اس کی تصدیق ہوگئی۔اندر ایک مغربی طرز پر سجائے گئے کمرے میں جو آدمی ایک گدے دار کرسی پر نیم دراز سگار پی رہا تھا، وہ مارٹیگو تھا۔

مارٹیگو کی شخصیت ابھی تک ان کے لیے ایک معمہ رہی تھی اور بالے دل ہی دل میں اس وقت خان کی ذہنی پہنچ کی داد دیے بغیر نہ رہ سکا کہ اس نے صرف مارٹیگو کو ایک کاک ٹیل پارٹی میں ایک بار دیکھنے کے بعد ہی نظر پر چڑھا لیا تھا۔مارٹیگو کے بارے میں اب سے پہلے وہ صرف اس قدر جان سکے تھے کہ وہ چھوٹے چھوٹے اسٹیمروں کی جہازراں کمپنیوں میں سے دوکا شپنگ ایجنٹ ہے۔چار مہینے پہلے کی بات تھی جب اتفاق سے ایک اچانک رات ٹریفک چیکنگ کے وقت ایک کار برق رفتاری کے الزام میں روک لی گئی تھی، لیکن اسے چلانے والا محض اتنی سی بات سے اس قدر خوفزدہ ہوگیا تھا کہ وہ کار سے اتر کر بے تحاشہ بھاگنے لگا۔پولیس کو اس پر شبہ ہوگیا اور وارننگ دے کر اس کا جب پیچھا کیا گیا تو اس نے گھبراہٹ میں گولی چلا دی تھی۔جس کے نتیجے میں ایک کانسٹیبل ہلاک ہوگیا تھا۔مجبوراً اس کی گرفتاری کے لیے پولیس کو بھی اس کی

ٹانگوں پر گولی چلائی پڑی اور ایک جگہ وہ لڑکھڑا کر گر پڑا۔ مگر جب پولیس اس کے پاس پہنچی تو وہ سرد ہو چکا تھا۔ اس وقت معلوم ہوا کہ ایک گولی اس کی پیٹھ میں لگی تھی اور اس سے فوری موت اس کی واقع ہوئی تھی، لیکن تعاقب کرنے والے پولیس اسٹاف میں سے کوئی یہ تسلیم کرنے کو تیار نہ تھا کہ دھوکے سے بھی اس کی گولی بھاگنے والے کے بدن کے اوپری حصے پڑی ہوگی۔ بعد میں یہ کیس خان کے سپرد کیا گیا۔ اس وقت پوسٹ مارٹم رپورٹ سے معلوم ہوا کہ جس گولی سے وہ ہلاک ہوا تھا، وہ پولیس اسٹاف کے کسی ریوالور کی گولی نہ تھی۔ بلکہ اعشاریہ چھ کے ایک امریکن پستول کی تھی۔ یہیں سے خان نے اس کیس کو ہاتھ میں لیا تھا اور بعد میں اگرچہ تحقیقات سے صرف یہی معلوم ہو سکا کہ وہ کار چوری کی تھی اور اسے چلانے والا ایک لاوارث ڈرائیور تھا۔ البتہ خان نے جس چیز کو خاص اہمیت دی تھی وہ ہلاک ہونے والے کے کوٹ کے کالر میں لگا ہوا ایک پیتل کا ایک چھوٹا سا بیج تھا جس میں انگریزی کے تین آر (RRR) بنے ہوئے تھے اور دوسری خاص بات یہ کہ اس کار سے پولیس کو کینوس کے دو بیگ ملے تھے جو کار کے ڈفرنشیل کے پاس نیچے پٹرول کی ٹنکی کی شکل میں بنائے گئے ایک چیمبر میں حفاظت سے رکھے ہوئے تھے اور ان کینوس کے تھیلوں میں سے کھرے سونے کی دو دو پونڈ کی چالیس اینٹیں برآمد ہوئی تھیں۔ ان تمام اینٹوں پر انگریزی کے وہی تین آر بنے ہوئے تھے۔ پولیس رپورٹ میں اسے تھری آر گولڈ کا نام دے کر جمع کرایا گیا۔

ڈرائیور کے بیج کو جیب میں رکھ کر خان اسی وقت سیکریٹریٹ پہنچ گیا تھا۔ اسے محکمہ داخلہ کا وہ خفیہ سرکلر یاد آ گیا تھا جو چند ماہ پہلے اسکاٹ لینڈ یارڈ پولیس کی سفارش پر برطانوی سفارت خانے کی طرف سے دولت مشترکہ کے ملکوں کو بھیجی گئی ایک خفیہ رپورٹ سے متعلق تھا۔

اور اس سرکولر کو دوبارہ دیکھتے ہی خان نے ہوم ڈپارٹمنٹ کے انڈر سکریٹری کو یہ بتا دیا کہ اس خفیہ بین الاقوامی تنظیم کے ہاتھ جس کے بارے میں یہ سرکلر بھیجا گیا تھا اب ہندوستان اور خصوصاً اس شہر میں بھی پھیل گئے ہیں۔ یہ سرکلر دنیا کے مختلف بڑے شہروں میں بڑے منظم

پیمانے پر کام کرنے والا ایک خوفناک اور پراسرار سمگلنگ ریکٹ کے متعلق تھا۔ یہ ریکٹ تھری آر یا ریڈ رنگ ایکٹ کے نام سے جانا گیا تھا اور اسکاٹ لینڈ یارڈ کی پولیس بڑی مشکل سے صرف اس قدر سراغ لگا سکی تھی کہ اس کا لیڈر کوئی ریڈ رنگ نامی انتہائی پراسرار آدمی ہے جسے خود ریکٹ کے دوسرے لوگ بھی نہیں جانتے۔ وہ صرف پراسرار ذرائع سے ان تک پہنچنے والی ہدایات پر عمل کرتے ہیں اور ان کے کاموں کی تقسیم ہی کچھ اس طرح اور اتنی عجیب ہوتی ہے کہ نہ تو وہ ایک دوسرے کے خلاف ہو پاتے ہیں اور نہ خود اپنے کام کی نوعیت کو سمجھ پاتے ہیں، البتہ یہ اندازہ لگایا گیا تھا کہ اس سے تعلق رکھنے والے لوگ بڑے ٹھاٹ کی زندگی گزارتے ہیں اور اس طرح سوسائٹی میں ان کی شناخت مشکل ہے۔ یہ تمام اطلاع اسکاٹ لینڈ یارڈ پولیس کو ایک ایسے آدمی نے دی تھی جو سمراسٹریٹ کے ایک جوہری کی دکان سے غائب کیے گئے بیس ہزار پونڈ کے قیمتی ہیروں کے سلسلے میں گرفتار کیا گیا تھا اور اس نے قبول دیا کہ ریڈ رنگ ریکٹ کا ایک فرد ہے، لیکن اس بارے میں وہ کوئی ایسی تفصیلات یا کارآمد باتیں نہ بتا سکا جسے پولیس کو سراغ رسانی میں مدد ملتی، کیونکہ نفسیاتی طور پر اسے ذہنی سکون پہنچانے کے لیے پولیس نے جو آرام دہ کمرہ حراست دیا تھا، اس کی محفوظ چار دیواری میں بھی اس پراسرار طاقت کے ہاتھ پہنچ گئے اور وہ دوسری صبح مردہ پایا گیا۔ صرف ایک گولی اس کے دائیں پسلی میں لگی تھی، لیکن قید خانے میں کسی وقت کسی نے کسی قسم کا شور یا آواز نہیں سنی تھی۔ پستول کی وہ گولی جو اس آدمی کی لاش سے برآمد کی گئی تھی، اعشاریہ چھ کے امریکن پستول کی تھی۔ اسکاٹ لینڈ یارڈ کے علاوہ ایک ایسا ہی خفیہ خارجی سرکلر حکومتِ ہند کو ہوشیار کرنے کے لیے امریکی فیڈرل بیورو آف انٹیلی جینس (F.B.I.) سے بھی بھیجا گیا تھا۔ جس میں ایک بین الاقوامی پراسرار ریکٹ کے مشرقِ وسطیٰ یا مشرقِ بعید کی طرف منتقل ہونے کے شبہات ظاہر کیے گئے تھے۔

اور جب خان نے انڈر سکریٹری محکمہ داخلہ پر یہ راز منکشف کیا کہ ٹریفک چیکنگ میں اتفاق سے یہ جو کیس پکڑا گیا ہے، یقیناً اسی ریکٹ سے تعلق رکھتا ہے اور اس نے ضرور اپنی

سرگرمیاں یا تو پہلے سے یہاں شروع کر رکھی ہیں، اور اب تیز کر دی ہیں، یا اب شروع کی ہیں، تو وہ حیرت سے اچھل پڑے۔ ایک اتنا منظم، خوفناک اور پراسرار ریکٹ، جس کا اسکاٹ لینڈ یارڈ پولیس اور امریکی ایف۔بی۔آئی۔ کچھ نہ بگاڑ سکتے تھے، یہاں کیا کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ لیکن خان نے انھیں اطمینان دلایا کہ وہ بہت جلد اس کا سراغ لگا کر چھوڑے گا۔ اور ساتھ ہی یہ وعدہ بھی لے لیا کہ اس ریکٹ کے متعلق تمام کاروائیاں سردست خفیہ راز میں ہی رکھی جائیں۔ اس دن کے بعد سے محکمہ داخلہ کے انڈر سکریٹری کئی بار خان کو جلد از جلد اس کا سراغ لگانے کی ہدایت کر چکے تھے۔ کیونکہ مرکزی حکومت کے محکمہ خزانہ کی کرنسی سرکولیشن یونٹ کے افسروں نے خفیہ طور پر حکومت کو متنبہ کیا تھا کہ نامعلوم اثرات کے تحت سونے کے کھلے بازار پر ایک سمجھ میں نہ آنے والا جمود طاری نظر آ رہا تھا اور شبہ یہ ہے کہ کس طرح بازار میں خفیہ طور سے کم قیمت پر ناجائز سونے کی کافی مقدار پھیل چکی ہے یا اب بھی پھیل رہی ہے۔ مرکزی حکومت نے اس رپورٹ کے مطابق تمام سرحدی اور صوبائی حکومتوں کو تنبیہہ کی تھی کہ وہ اپنے علاقوں میں چوکنی رہیں۔

بہر حال تھری آر گولڈ کیس میں جس مقام پر اس کا کار ڈرائیور لڑکھڑا کر گرا تھا، اس کے آس پاس خفیہ تفتیش کرنے کے بعد ہی خان کو یہ بات معلوم ہوئی تھی کہ اس دن جب پولیس اس بھاگتے آدمی پر فائرنگ کر رہی تھی، مخالف سمت سے آتی ہوئی ایک کار بھی ان کے درمیان سے گزری تھی اور اس کار کا جو نمبر ایک کانسٹیبل نے نوٹ کیا تھا، وہ وہیکل رجسٹریشن آفس میں شپنگ ایجنٹ مارٹیگو کی کار کا تھا۔

اتنا وقت گزر جانے کے بعد خان کے لیے یہ ایک فضول سی بات تھی کہ مارٹیگو کو براہِ راست چیک کرتا اور پھر یقینی طور پر کچھ بھی نہیں کہا جا سکتا تھا کہ مارٹیگو شبے کے لائق ہی ہے۔ یہ بھی ممکن تھا کہ وہ بالکل ایک غیر متعلق شخصیت ہو۔ چنانچہ خان نے اس پر خفیہ نگرانی قائم کی تھی۔ اس سلسلے میں ایک دن اس نے مارٹیگو کو ایک کاک ٹیل پارٹی میں ایشور لال کے ساتھ علیحدہ

ایک کونے میں کچھ گفتگو کرتے دیکھ لیا تھا۔اس کے دو چار دن بعد میں ایشور لال نے اپنے فرم کے لیے پارٹنر کی ضرورت کا اعلان کیا اور خان کے مشورے پر بالے نے شوکت کو قربانی کا بکرا بنا دیا۔

☆☆☆☆☆☆

وہی مارٹیگو اس وقت بالے کے سامنے تھا،لیکن وہ مارٹیگو جو باہر سوسائٹی میں نظر آتا تھا،اس مارٹیگو سے کافی مختلف تھا جو اس وقت ان کے سامنے تھا۔اس کے چہرے پر اس وقت ایک عجیب سا خوفناک پن برس رہا تھا۔وہ جب ان کی طرف گھوما تو بالے کو ساتھ میں لانے والا سانولے رنگ کا آدمی مؤدب ہو کر اس کے سامنے جھک گیا۔

''یہی ہے وہ نوجوان،مسٹر مارٹی۔''اس نے بالے کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

مارٹیگو بالے کو ٹٹولنے والی نظروں سے گھورنے لگا۔''تم جاؤ۔''اس نے اس آدمی کی طرف اشارہ کیا۔اور وہ الٹے پاؤں پیچھے ہٹتا دروازے سے نکل گیا۔

''کیا نام ہے تمہارا؟''

''سرے دست کوئی نام نہیں۔''بالے نے بے دلی سے کہا۔

''میں صرف سیدھے جواب پسند کرتا ہوں۔''مارٹیگو نے روکھے لہجے میں کہا۔

''تم نے مجھے یہاں کیوں بلایا ہے؟''

''تمہاری مصیبت دور کرنے کے لیے۔''مارٹیگو مسکرایا۔

''شرافت علی بٹ۔ویسے میں خود کو صرف بٹ کہتا ہوں۔''

''کیا کرتے ہو؟''

''آوارہ گردی۔''

''جو کام دیا جائے گا،کرو گے؟''

''اب میں دنیا کا ہر کام کرنے کو تیار ہوں۔''

''فرض کرو کہ وہ کام زیادہ اچھا نہ ہو؟''

''اچھائی اور برائی میں میرے لیے اب کوئی فرق نہیں رہ گیا۔''

''بہر حال نیکی کا پھل تو نیک ہی ملتا ہے۔''

''میرے سامنے نیکی و بدی کا نام مت لو۔کیا تم نے مجھے نصیحتیں سنانے کے لیے بلایا ہے؟''

''اچھے آدمی اس قسم کی باتیں نہیں کیا کرتے۔''

''کون اچھا آدمی ہے اس دنیا میں۔اور جو اچھے ہیں وہ پرلے درجے کے گدھے ہیں۔وہ زندگی بھر جھک مارتے رہتے ہیں اور میں اتنی جھک مار چکا ہوں کہ میرے نزدیک اب تمہاری اخلاقی قدریں ایک بکواس سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتیں۔''

''بیٹھ جاؤ۔میرا خیال ہے تمہیں ذہنی سکون کی ضرورت ہے۔''

''مجھے اب زبانی ہمدردیوں سے کوئی دلچسپی نہیں رہ گئی ہے۔میں اگر زندہ رہوں گا تو عیش و آرام کی زندگی کے لیے،خواہ وہ کسی قیمت پر حاصل ہو،ورنہ مرنے کے لیے مجھے کسی کا انتظار نہیں کرنا ہے۔میں تقدیر اور ایمان کے بھروسے پر ابھی تک اپنی زندگی کے بیش قیمت سال مصیبتوں میں گزار چکا ہوں۔مجھے اس قسم کی کوئی ایک نصیحت بھی نہیں چاہیے۔''بالے یہ کہہ کر بیٹھتے بیٹھتے پھر اٹھ کھڑا ہوا۔

''اگر میں تمہیں سو پچاس روپے کی نوکری اپنے فرم میں دیدوں تو؟''

''میں اب گھٹیا قسم کی زندگی قطعی نہیں پسند کروں گا۔میں وہی آرام حاصل کرنا چاہتا ہوں جو دولت مند لوگ پیسوں کے بل پر کرتے ہیں۔میں بھی انسان ہوں۔اور جو یوں میرا حق نہیں ملتا تو میں اسے دوسروں سے چھین لوں گا۔''

''شاباش۔ایسے بہادروں کی میں عزت کرتا ہوں۔''مارٹیگو نے اٹھ کر اس کی پیٹھ

Akram Allahabadi

تھوکتے ہوئے کہا۔

''مجھے کیوں بلایا ہے؟'' بالے نے پھر اپنا سوال دہرایا۔

''جو کام دیا جائے گا، کرو گے؟''

''ہاں۔ لیکن اگر معاوضہ معقول ہو۔''

''اس کی طرف سے بے فکر رہو۔ میں اپنے آدمیوں کو ہمیشہ خوش رکھتا ہوں، لیکن ایک چیز تمہیں بتا دوں۔ میں اس آدمی کو کبھی پسند نہیں کرتا جو مجھ سے آنکھیں ملا کر بات کرے۔''

''میں آپ کا مطلب سمجھ گیا۔'' بالے نے تم سے آپ پر آتے ہوئے، لہجے کو محتاط و مہذب کر لیا۔

''اور تمہیں جو بھی کام دیا جائے تم نہ تو اس کی وجہ پوچھو گے اور نہ ہی اس سے ایک انچ ہٹ کر کام کرو گے۔''

''مجھے کب انکار ہو سکتا ہے۔''

''میرے کاموں میں رازداری شرطِ اولین ہے اور تم دیکھو گے کہ غداری کرنے یا غداری کرنے کا ارادہ کرنے والوں کو میں کیسی سخت سزائیں دیتا ہوں۔''

''میں سمجھ رہا ہوں۔'' بالے نے سر جھکا کر کہا۔

''تو جاؤ، تمہیں ضرورت کی ہر چیز ملتی رہے گی۔''

''سردست میرے رہنے کی مستقل جگہ نہیں ہے۔'' بالے نے بتایا۔

''تمہارے سپرد جو کام کیا جا رہا ہے، اس میں پورے اترنے کے بعد تمہارے لیے اس کا بھی انتظام کر دیا جائے گا۔ اور ہاں...'' یہ کہتے ہوئے مارٹیگو نے جیب میں ہاتھ ڈال کر نوٹوں کا ایک بنڈل لیا اور اسے بالے کی طرف بڑھا دیا۔

''یہ ایک ہزار روپے ہیں۔ ان سے اپنی حالت بدل کر اس قابل بن جاؤ کہ اچھی سوسائٹی میں بیٹھ سکو۔ ضرورت ہو تو اور مانگ لینا۔''

Akram Allahabadi

بالے نے آنکھوں میں مسرت اور حیرت کی چمک پیدا کرتے ہوئے کانپتے ہاتھ سے نوٹ سنبھال لیے۔

''میں اب آپ کے لیے سب کچھ کر سکتا ہوں۔'' بالے نے وفورِ جوش سے کہا۔

''یہ کچھ نہیں ہے، اگر تم تہ دل سے میرے وفادار رہے تو میں ایک دن تمہیں لکھ پتی بنا دوں گا۔'' مارٹیگو نے پرزور لہجے میں کہا۔ اور بالے کی آنکھوں سے خوشی کے آنسو نکل پڑے۔

''میری ذمہ داری پر شک کرنے کا آپ کو کبھی موقع نہیں ملے گا۔''

مارٹیگو کے کمرے سے باہر نکلتے وقت کیٹی پھر سامنے پڑ گئی اور اس بار پھر اس نے اسے آنکھ ماردی اور وہ غصے میں اٹھ کھڑی ہوئی۔

''اے۔'' اس نے بالے کو للکارا۔ اور بالے ٹھہر گیا۔

''کون ہو تم؟''

''رومیو۔'' بالے نے سرد سانس کھینچ کر بولا۔

''شٹ اپ۔ تم ضرور کوئی بدمعاش ہو۔ میں مسٹر مارٹی سے تمہاری شکایت کرونگی۔'' وہ غصے میں پیر پٹک کر بولی۔

''اہاں، ہاں، ہاں... ایسا غضب نہ کرنا۔'' بالے نے اس کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا۔ پھر اس کے قریب ہو کر سرگوشی میں بولا۔

''ورنہ میں بھی تمہاری پول کھول دوں گا۔''

''کیا مطلب؟'' کیٹی چونکی۔

''میں نے تمہیں ایک ہوٹل میں سی آئی ڈی کے ساتھ دیکھا تھا۔'' بالے نے رازدارانہ لہجے میں کہا۔

''کک... کب؟'' کیٹی کی آواز اس کے حلق میں اٹک گئی۔

''گھبراؤ نہیں، تم مجھے بہت اچھی لگتی ہو، اس لیے میں تمہیں کوئی نقصان نہیں

پہنچاؤنگا۔'' یہ کہتا ہوا وہ ایک انگلی سے کیٹی کے رخسار کو چھیڑتا ہوا باہر نکل گیا۔اور کیٹی سکتے کے عالم میں اسے دیکھتی رہ گئی۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

مدّ و جزر

"سیکٹری۔"

شوکت کی آواز آفس کے باہر والے بڑے کمرے تک سنائی دی۔ وہ تین بار ماسٹر فون پر کال کر چکا تھا، لیکن سکریٹری کی طرف سے کوئی جواب نہیں ملا تھا۔ اسٹینو زہرہ اپنے آفس میں بیٹھی خطوط ٹائپ کر رہی تھی۔ شوکت کی آواز سن کر وہ چونک پڑی اور کام چھوڑ کر تیز تیز قدم اٹھاتی اس کے آفس میں داخل ہو گئی۔

"اے لو، مارے گھٹنا تو پھوٹے آنکھ۔ یانی کہ بلایا زید کو بکر آ ٹپکے۔" شوکت اسے دیکھ کر چلایا۔

"سر، وہ اپنے آفس میں نہیں ہیں۔" زہرہ نے ڈرتے ڈرتے بتایا۔

"کاہے کوئیں ہیں۔ یانی کہ نوکری ہے یا خالہ خالو کا گھر۔"

"مجھے بتایے، شاید میں وہ کام کر سکوں۔" زہرہ نے اپنی خدمات پیش کیں۔

"مس زہرہ، مجھے مالوم ہے تم بہوت محنت کرتی ہو اور وہ سالی تو پارٹنر شپ کی سکیٹری ہے، نہیں تو میں تو تم کو سیکٹری بناتا اپنی۔" شوکت اچانک نرم پڑ گیا۔

زہرہ کیونکہ اس کا بہت ادب کرتی تھی، اس لیے شوکت بھی اس کے سامنے بری طرح 'باس' بنا رہتا، لیکن اس وقت زہرہ کی اس وفاداری نے اسے کچھ اتنا متاثر کر دیا کہ اسے نرم ہونا ہی پڑا۔

"فرمایے، کیا کام ہے؟"

"پہلے مالوم کرو کہ وہ کاں گئی ہے۔ میں آج اسے فائر کروں گا۔"

"او کے، سر۔" زہرہ یہ کہہ کر باہر نکل گئی اور شوکت کمرے میں ٹہلنے لگا۔ نہ جانے

Akram Allahabadi

کیوں آج زہرہ اسے دوسرے دنوں سے زیادی خوبصورت اور پرکشش معلوم ہورہی تھی، لیکن اس وقت اس کا ذہن اپنی سکریٹری میں الجھا ہوا تھا۔شوکت نے اسے ایشور لال کی سفارش پر ہی اس عہدے پر رکھا تھا۔وہ اس سے پہلے بھی کئی بار اس کی اجازت حاصل کیے بغیر باہر جا چکی تھی، لیکن ہر بار جب شوکت اسے ڈانٹنا چاہتا تو وہ کچھ ایسا رویہ اختیار کر لیتی کہ شوکت کا تمام غصہ کافور ہو جاتا۔چپراسی نے ہی بتایا تھا کہ کسی کا ٹیلی فون آتا ہے، جسے سنتے ہی وہ دفتر سے چلی جاتی ہے۔آج وہ پھر اسی طرح اچانک چلی گئی تھی۔زہرہ کچھ دیر بعد ہی واپس چلی آئی۔

''سر، کسی کا فون آیا تھا، جس کے بعد وہ چلی گئی ہیں۔''

''اللہ کرے سالی ہمیشہ کے لیے ہی چلی جائے۔مجھے اس وقت شیشے کے کارخانے والے نرنس کی ماہواری چاہیے۔''

''جی...؟''

''ماہواری یانی کہ مہینے مہینے والی رپورٹ۔میں کاں تک گھانا بھروں گا آخر۔''

''میں دیکھتی ہوں فائلوں میں۔''زہرہ یہ کہہ کر چلی گئی۔

لیکن اسے وہ فائل نہ مل سکی جس میں اس قسم کی رپورٹیں رکھی جاتی تھیں اور شوکت پیر پٹک پٹک کر سکریٹری کو کوستا رہا۔وہ تقریباً دو گھنٹے بعد واپس لوٹی۔شوکت نے چپراسی کو حکم دے رکھا تھا کہ جیسے ہی آئے مجھے خبر کرنا اور اس نے فوراً اطلاع کر دی۔شوکت ماسٹر فون پر اسے کال کرنے لگا۔

''یس، سر۔میں بولتا آپ کی سکریٹری۔''

''کاں گئی تھیں تم؟''

''وہ...وہ سر، میرا ایک رشتے دار کا فون آیا تھا۔اس کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے۔''اس نے بتایا۔

''تیل لینے گئے تمہارے رشتے مشتے دار۔فوراً یہاں آؤ۔''شوکت نے بگڑے

ہوئے لہجے میں حکم دیا۔

دوسرے لمحے میں وہ آفس میں موجود تھی۔ وہ جس انداز سے مسکراتی ہوئی اندر داخل ہوئی، شوکت کو قتل کر دینے کے لیے وہی کافی تھا، لیکن شوکت کو اس کے ساتھ ساتھ اپنی باسیت کا بھی کچھ پاس تھا۔ اس لیے وہ ٹینی مرغ کی طرح اکڑ گیا۔

''آپ کھفا ہو گیا ہم سے۔'' وہ ایک ادائے دلفریب سے اس کے سامنے بل کھا کر بولی۔

''نہیں تو، تمھیں پیار کرنے کو بلایا ہے۔'' شوکت نے جل کر کہا۔

''پیار... اوہ... ونڈرفل۔'' یہ کہتی ہوئی وہ شوکت کے قریب کھسک آئی۔ اتنی قریب کہ اس کے گداز جسم کی گرمی شوکت کے جسم کو انگیٹھی کی آنچ کی طرح چھونے لگی۔ ''کیا تم سچی ہم کو پیار کرتا، باس؟'' وہ سرگوشی کے لہجے میں بولی۔

''اے لو، کہو کھیت کی تو سنیں کھلیان کی۔'' شوکت سٹپٹا گیا۔

''کلیان چلنا مانگتا کیا؟''

''اوہ، میں بھی کتنا بڑا گدھا ہوں جو... جو...''

''نا ئیں نا ئیں...'' سکریٹری نے مسکرا کر سر جھٹکا۔ ''ہم سب سمجھتا... تم تو ونڈرفل ہے، باس۔''

''فول تم خود... سجان سنبھالو، سکریٹری... یانی کہ زبان سنبھالو... ہاں۔''

''چچ... چچ... ایسا کہتا کائے کو۔'' یہ کہتے ہوئے اس نے ہولے سے شوکت کے گال پر طمانچہ مار دیا۔ شوکت کے لیے یہ طریق التفات عین مطابق تھا اور اس کے باوجود کہ اس بت پرفن کے اس طرح رام ہو جانے پر دل ہی دل میں قصیدے کہہ رہا تھا، اسے اظہارِ جذبات کے لیے الفاظ نہیں مل رہے تھے۔ کہیں سے مل بھی جاتے تو ان کا ادا کرنا بھی اس موقع پر اس کے لیے جوئے شیر لانے سے کم نہ تھا۔ گھبراہٹ میں جو منہ میں آیا بکنے لگا۔

Akram Allahabadi

"تم مجھ کو طماچہ مارو گی، میں تم کو گھونسہ ماروں گا... آں۔" اس نے بچوں کی طرح منہ بنا کر چیلنج کیا۔ پھر خود وہ بے ڈھنگے پن سے ہنس پڑا۔

"ہاؤ لولی۔" وہ اس کی آنکھوں میں گھور کر مسکرانے لگی۔

"مجھے ایک شاعر کا شیر یاد آ گیا اسی بات پر۔" شوکت کسی قدر شرماتے ہوئے بولا۔

"وہاٹ؟" سکریٹری نے ٹھٹھلا کر پوچھا۔

"وہ بانی کے ایسی نظروں سے مت دیکھو کہ خمار آ جائے۔"

لیکن سکریٹری شاید اس کی شاعری کا مفہوم نہ سمجھ سکی۔ وہ بس اسے مسحور کن نظروں سے گھورنے لگی۔

"دیکھو، تمھیں کہیں جانا ہوا کرے تو مجھ سے پوچھ لیا کرو۔" شوکت نے بڑی نرمی سے اسے سمجھایا۔

"میں پوئی لیک مچھلی کا شکار کرنے جائے گا۔ باس ہم چلے گا؟"

"لیک پوئی، کب؟"

"بس ابھی تھوڑی دیر بعد۔"

"یو ایز پلیز۔" شوکت نے انگریزی بولنے کی کوشش کی اور سکریٹری اپنی ہنسی روکتی ہوئی شوکت کے گلے کا ہار بن گئی۔ شوکت کے فرشتے اس وقت کوہ قاف کی طرف کوچ کر رہے تھے کہ اچانک ٹیلی فون نے بدتمیزی کا مظاہرہ کیا اور وہ چونک پڑے۔ رسیور شوکت کی بجائے سکریٹری نے ہی اٹھا لیا۔

"ہیلو۔" وہ فون پر بھی اٹھلا کر بولی۔

"ہیلو۔ تم کون ہو؟" دوسری طرف سے ایک رعب دار بھاری آواز سنائی دی۔

"آئی ایم مسٹر شوکتس سکریٹری۔" وہ شوکت کی طرف دیکھتے ہوئے فون پر بولی۔

"اے لو شوکتس کائے کو؟ بہت سے شوکتس ہیں کیا؟" شوکت نہ جانے کس خیال

Akram Allahabadi

سے برا مانتے ہوئے کہا۔

''کہاں ہے وہ نامعقول؟''فون پر دوسری طرف سے آواز آئی۔

''آپ کون ہیں؟''سکریٹری نے اکڑ کر پوچھا۔

''میں اس کا بڑا باپ ہوں،اس کو بلاؤ۔''

''یو مین گرانڈ فادر؟''سکریٹری جھجکتی ہوئی بولی۔

''اوہو..انگریزی مت بولو میرے سامنے۔مجھے فرنگیوں سے سخت نفرت ہے۔تم لوگوں نے میرے بھتیجے کا سب کچھ ستیاناس کر رکھا ہے۔''فون کرنے والے نے تحکمانہ لہجے میں اس کو ڈانٹ پلائی۔اور سکریٹری اس جملے پر واقعی سہم گئی۔

''کون ہے؟''شوکت نے کچھ جانے بوجھے بغیر خود بھی سہمی ہوئی آواز میں بولا۔

''یور گرانڈ فادر۔''سکریٹری یہ کہہ کار رسیور اس کی طرف بڑھاتی ہوئی وہاں سے ہٹ گئی۔

وہاٹ..؟یانی کہ کیا؟''شوکت آنکھیں پھاڑ کر بولا۔

''آپ کا بڑا باپ۔''

''شٹ اپ اینڈ گیٹ آؤٹ۔''شوکت سکریٹری پر بگڑ پڑا۔وہ شاید اسے مذاق ہی سمجھا تھا۔سکریٹری نے ایک نظر اسے دیکھا اور چپ چاپ باہر چلی گئی۔شوکت رسیور اٹھا چکا تھا۔

''کون ہے؟''شوکت نے جھلائے ہوئے لہجے میں فون پر پوچھا۔

''تمہارا چچا۔''

''سیدھے سیدھے بولو،میرا کوئی چچا سالا پیدا ہی نہیں ہوا ہے آج تک۔''

''یہ تم اپنی شامت کو گلے لگا رہے تھے کیا؟''

''رانگ نمبر۔''یہ کہہ کر شوکت رسیور رکھنا ہی چاہتا تھا کہ بالے کی آواز نے اسے

Akram Allahabadi

چونکا دیا۔

''ڈیئر سکٹ، رسیور مت رکھو۔'' وہ اپنی آواز بدل کر بولا۔

''ارے تم ہو۔'' شوکت نے گرگٹ کی طرح سر ہلایا۔ ''تت...تم نے میرا ناکوں میں دم کر دیا ہے۔''

''کتنی ناکیں ہیں تمہاری؟''

''زبان مت پکڑو۔ کائے کو پھٹے میں ٹانگ گھسیڑی ہے اس وقت؟''

''ابھی کون تھی تمہارے پاس؟''

''جاؤ تھی کوئی، یانی کہ تم کو کیا؟ سالے، اتنی دور سے بھی چین نہیں آتا۔''

''تمہاری سکریٹری تھی نا؟''

''اچھا تھی، پھر؟''

''اس سے ہوشیار رہو۔''

''میں تم سے زیادہ ہوشیار ہوں، میاں خان، مجھے مت بناؤ۔ یانی کہ...''

''بیوقوف۔'' بالے نے جملہ پورا کر دیا۔

''تم خود...''

''خیر سنو، وہ تمہیں کہیں باہر لے جانا چاہتی ہے؟''

''ہاں، خوب جلو، سالے۔ ہم پوئی لیک جا رہے ہیں شکار کے لیے۔''

''تمہاری شامت تمہیں لے جا رہی ہے، خبردار جو گئے۔''

''جاؤں گا، ہزار بار جاؤں گا۔ میں جانتا ہوں تم کائے کو اڑ لگا رہے ہو۔''

''اف فوہ، اب میں کیسے سمجھاؤں تمہیں، جانِ من؟''

''جانِ من تم خد۔ زبان سنبھالو اپنی۔''

''نہیں مانو گے تو پچھتاؤ گے، بیٹے۔''

Akram Allahabadi

''بہوت پچھتائے۔تم رہنے دو اپنی کالی زبان۔''

''سنو،تم نے جام نگر کی کسی فرم کو کچے شیشے کا آرڈر دیا تھا؟''

''دیا ہوگا اسی سالے نے، وہ جو تم نے میرے گلے میں گھنٹی باندھی ہے۔''

''بہر حال آج اس کا مال آرہا ہے، تمہیں خود فیکٹری پہنچنا چاہیے۔''

''میں پوئی لیک جا رہا ہوں۔''

''نہیں مانو گے؟''

''نئیں...نئیں...نئیں۔سالی اتنے دنوں میں تو اب محبت میں آئی ہے۔''

''اچھا جاؤ،سور۔''

''تم خود وہ،یانی کہ سور،الو،گدھے،مانعقول اوراور..''

مگر دوسری طرف رسیور بالے رکھ چکا تھا۔شوکت رسیور پٹک کر زور سے دھاڑا۔

''مس زہرہ۔''

وہ فوراً پہنچی۔

''ابھی کوئی فون آئے تو اور سے ہی بول دو ہم مر گئے۔''

''مگر ہسر۔''

''سر ویر کو چھ نہیں،جیسا بولا،ویسا بولو۔''

اسٹینو زہرہ اثبات میں سر ہلا کر چلی گئی۔تھوڑی ہی دیر میں شوکت کی سکریٹری پھر آ پہنچی۔اور جب شوکت نے اپنے غصے کے لیے اس سے معذرت چاہی تو اس نے نہ صرف یہ کہ ہنس کر معاف کر دیا، بلکہ شوکت کی ناک بھی پکڑ کر موڑ دی۔

☆☆☆☆☆☆

اجنبی ملاقاتی

مس پارکر وزٹنگ کارڈ دیکھ کر چونک پڑی، وہ بالکل سادہ تھا۔

''کون ہے؟'' اس نے سامنے کھڑے ہوئے بیرے سے پوچھا۔

''کوئی بھلا آدمی ہی معلوم ہوتا ہے، میم صاحب۔'' بیرے نے ادب سے جواب دیا۔

''خیر بھیج دو اسے اندر۔''

بیرا چلا گیا اور اس کے جاتے ہی جو بارعب اور وجیہہ شخصیت اندر داخل ہوئی وہ مس پارکر کے لیے قطعی اجنبی تھی۔ وہ اسے کسی قدر حیرت سے دیکھنے لگی۔

''کیا مجھے نشست بھی نہ پیش کریں گی آپ؟'' وہ ملائم الفاظ میں مسکراتے ہوئے بولا۔

''اوہ، ضرور، تشریف رکھیے۔'' مس پارکر نے صوفے کی طرف اشارہ کر کے کہا اور وہ بیٹھ گیا۔

''آپ... آپ... مجھ سے ملنا چاہتے ہیں؟''

''جی ہاں، کیوں؟''

''لیکن آپ ہیں کون؟''

''اوہ، یہ جاننا آپ کے لیے زیادہ ضروری تو نہیں۔ بس یوں سمجھ لیجیے کہ دوسرے سے آپ کی تعریفیں سن کر آنے والے معتقدین میں سے ایک۔'' وہ صوفے پر دراز اور اطمینان سے بیٹھتا ہوا بولا۔

''میں نہیں سمجھی؟'' مس پارکر نے چہرے کو حد درجہ معصوم بنا لیا۔

Akram Allahabadi

''میں لکھ پتی بننا چاہتا ہوں اور سنا ہے آپ ہاتھ دیکھ کر ایسے راستے بتا دیتی ہیں جن سے اس کی تقدیر کے دروازے کھل جائیں۔'' وہ ایک پراسرار مسکراہٹ کے ساتھ کہنے لگا۔

''آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔'' مسز پارکر نے چہرے کی بدلی کیفیت کو چھپانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

''ہوسکتا ہے، لیکن شاید کندن لال کو غلط فہمی ہوئی تھی۔''

''جی؟'' وہ بے ساختہ چونک پڑی، مگر سنبھل گئی۔

''اس عروج و زوال میں آپ کا ہاتھ تھا، حتیٰ کہ اس کے گھر چھوڑنے تک آپ اس سے ملتی رہی ہیں۔''

''میں کچھ نہیں سمجھی۔''

''کوشش کیجیے سمجھنے کی۔''

''آپ کون ہیں؟'' وہ یکا یک غضب ناک ہو کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ ایک اکیلی عورت کے کمرے میں اس طرح داخل ہو کر اسے زبردستی خوفزدہ کرنے کی آپ نے کوشش کی تو میں پولیس کو طلب کرونگی۔''

''شوق سے۔ ویسے اگر آپ میری بات کا صحیح جواب دینے کی تکلیف کریں تو آپ کو ممکن ہے پولیس کا سامنا کرنے کی نوبت نہ آئے۔'' یہ کہتے ہوئے خان نے اپنا دوسرا کارڈ اس کی طرف بڑھا دیا اور وہ اسے دیکھتے ہی سٹ پٹا گئی۔

''معاف کیجیے گا، میں آپ کو کوئی اور سمجھی تھی۔''

''خیر، اب میرے سوالوں کا جواب دیجیے۔''

''مجھے نہیں معلوم کہ آپ مجھ سے کیوں کسی قسم کی پوچھ گچھ کر رہے ہیں۔ لیکن میرا کسی معاملے سے ایسا کوئی ایسا تعلق نہیں ہے جو پولیس کی دلچسپی کا باعث بن سکے۔ میں صرف ایک پامسٹ ہوں۔''

''آپ کو معلوم ہے کندن لال مر چکا ہے؟''

''جی ہاں۔اس کا دماغ خراب ہو گیا تھا،اس لیے اس نے خودکشی کر لی۔''

''آپ اس سے ملتی رہتی تھیں۔آپ کو اس کے دماغ کی خرابی کو کوئی سبب تو معلوم ہو گا؟''

''مجھے اس کے نجی حالات معلوم نہیں،لیکن اسے بھی بعض دوسرے لوگوں کی طرح اپنی تقدیر کا حال جاننے کا بہت شوق تھا۔وہ خود ہی مجھے اس کے لیے بار بار پریشان کیا کرتا تھا۔ حالانکہ میں اسے بتا چکی تھی کہ جو کچھ ایک بار دیکھا جا چکا ہے،وہی بار بار دیکھا جائے گا۔''

''کیا آپ نے اس سے اپنی آخری ملاقات میں یہ یقین دلایا تھا کہ جو کچھ اسے ملا ہے اسے اس سے ہاتھ دھونا ہی پڑے گا۔''

''جی؟''وہ چونکی،لیکن پھر اس نے بڑی چالاکی سے اپنی حیرت کو سوچ کی آڑ میں چھپا لیا۔''جی ہاں۔مجھے یاد پڑتا ہے کہ میں نے ایسا کہا تھا۔کیونکہ اس کے ہاتھ کی لکیریں بتا رہی تھیں۔''

''ہاتھ کی لکیریں سب کچھ صحیح بتاتی ہیں؟''یہ خان نے پوچھا۔

''یہ اپنا اپنا خیال ہے۔ویسے اسٹڈی تو یہی کہتی ہے۔''

''یہ پامسٹری تھوڑی سی میں بھی جانتا ہوں۔کیا آپ بتائیں گی کہ وہ کس قسم کی لکیریں تھی؟''خان نے اس سے پوچھا۔

''اوہ!''وہ پریشان سی ہو گئی۔''آپ زبردستی مجھ پر شک کر رہے ہیں۔''

''میں نے تو یہ نہیں کہا ہے۔میں تو صرف اس کے کیس کی کاروائی مکمل کر رہا ہوں۔ دماغ کی لکیریں بہت زیادہ فرکشنز اور ہتھیلی کے درمیانی دولت کے خانوں میں تبدیلی کی وجہ سے،حالانکہ اس کی ہتھیلی صاف تھی اور دماغ کی لکیریں فرکشن ہے نہ دولت کے خانے کھلے تھے۔''خان نے اسے چبھتی ہوئی نظروں سے گھور کر کہا۔

Akram Allahabadi

''یہ آپ کیسے کہہ سکتے ہیں؟'' وہ اپنے آپ پر قابو رکھنے کی جلدی کوشش کرتے ہوئے بولی۔

''اس طرح۔'' خان نے جیب سے ایک فوٹو کارڈ نکال کر اس کی طرف بڑھادیا۔ اس کے دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیوں کا یہ فوٹو اس کے مرنے کے بعد لیا گیا تھا۔ خان نے اسے بتایا اور وہ اس وقت واقعی سٹپٹا گئی۔

''تم... مگر... ہوسکتا ہے مرنے کے بعد اس کی یہ کیفیت ہوگئی ہو۔''

''کیا آپ مجھے ان دائروں کا راز بتا سکیں گی جو اس کی پشت پر بنے پائے گئے تھے؟''

''دائرے؟'' وہ چونکی۔ ''م... میں... ان کے بارے میں کچھ نہیں جانتی۔ بخدا مجھے کچھ معلوم نہیں۔''

''خیر، میں اس وقت کچھ اور نہیں پوچھنا چاہتا، کیونکہ آپ کی اس کی دوستی کہاں سے اور کس حالات میں شروع ہوئی، یہ مجھے معلوم ہو چکا ہے، لیکن اس سے پہلے میں آپ کو قیدیوں کے ہاتھ دیکھنے کے لیے شاہی مہمان خانے میں پہنچواؤں، آپ اپنے پراسرار باس ریڈ رنگ تک میرا پیغام پہنچوا دیجیے کہ یہ ہندوستان ہے، پیرس کی گلیاں نہیں ہیں۔''

''وہاٹ؟'' وہ اکدم اچھل کر کھڑی ہوگئی۔

لیکن اس سے پہلے ہی خان کمرے کے باہر جا چکا تھا۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

حکمِ حماقت

جوہو کے کمپنگ کلب میں اس وقت سناٹا چھایا ہوا تھا اور اس سناٹے میں مغربی موسیقی کی مدھم لہریں ریڈیو ریکارڈنگ پر سنائی دے رہی تھیں۔ کلب کے وسطی ہال میں بڑی خموشی سے کئی جوڑے ریکارڈ کی دھن پر بانہوں میں بانہیں ڈالے رقص کر رہے تھے اور ان رقصوں میں بالے بھی شامل تھا۔ وہ اب تک اسی میک اپ میں تھا۔ حالانکہ داڑھی کے بڑھے ہوئے بال اب صاف ہو چکے تھے اور وہ سرمئی رنگ کے گرم کوٹ میں اس وقت کافی پرکشش اور وجیہہ نظر آ رہا تھا۔ جب کبھی وہ اس لڑکی کے ساتھ ناچتے ناچتے دوسری لڑکیوں کی طرف دیکھ کر ایک آنکھ دبا لیتا تو وہ برا ماننے کی بجائے دوسرے مرد کی بانہوں میں رہ کر بھی مسکرا اٹھتیں۔ برا ماننے کا سوال ہی نہ تھا۔ ساحل جوہو کی تہذیب مغرب کی بڑھی چڑھی نقل کی۔ اور یہاں کورٹ شپ سے لے کر غیر قانونی ملاپ تک جائز سمجھے جاتے تھے۔ شہر کی مہذب آبادی میں زیادہ تر تو لوگ اس خیال کے تھے کہ یہ تنہائی پسندوں کے لیے عیاشی کا بہترین اڈہ ہے۔ اور پھر بھی شرفا خاصی تعداد میں سمندر کے اس دور دراز کنارے کی رونق بڑھانے پہنچ جاتے۔ ان میں سے کچھ تو ٹیب لے کر پانی میں کود پڑتے اور خود نہانے کا مزہ لینے سے زیادہ ان نیم عریاں نہاتی ہوئی لڑکیوں کے حسن و شباب کے مظاہرے میں کھوئے رہتے جن میں نہ اپنے کی شرم تھی نہ پرائے کی۔ یا ممکن ہے وہ محض اسی نمائش کے لیے یہاں آتی ہوں۔ جوہو پکنک کلب جو کلب سے زیادہ سب کچھ تھا، تاریک راتوں میں اس مقام کی ویرانی کا ایک پول تھا، جس سے واقف تو وہ سب ہی لوگ تھے جو اس ساحل تک بھٹکتے، یا دانستہ آ نکلتے، مگر پھر بھی اسے اعلیٰ معیار اور مغربی ذوق کا حامل ایک شاندار کلب سمجھا جاتا تھا۔ شاندار اس لیے بھی کہ اس کے منتظمین کو ان سونی اندھیری راتوں سے کافی آمدنی ہوتی تھی۔ وہ بسا اوقات کلب کے عقبی حصے میں بنائے

گئے قیام گاہ کے کمروں میں سے ایک ایک کمرے کے لیے ایک ایک رات کا اتنا کرایہ وصول کر لیتے جو شہر کے بڑے بڑے ہوٹلوں کو نصیب نہ ہوتا۔ بالے کی ہم رقص اس وقت خود مس ایلینا پارکر تھی۔ شاید یہ ان کی پچھلی ملاقات کا ہی اثر ہو کہ وہ اس کی شخصیت میں کافی دلچسپی لے رہی تھی۔ لیکن بالے یہاں ایک کام سے آیا تھا۔ ایک عجیب و غریب پراسرار کام جو اسے مارٹیگو کے حکم سے سونپا گیا تھا۔ ویسے وہ انتہائی احمقانہ اور بے حقیقت کام معلوم ہوتا تھا، جس کے لیے اسے من مانے اخراجات دیے جا رہے تھے، یا پھر ممکن ہے اسے آگے کوئی خطرناک اور خاص کام کرنا پڑتا۔ بہر حال سردست اسے جو بہت معمولی لیکن عجیب سا کام دیا گیا تھا اس کی اہمیت کو وہ خود تو زیادہ نہیں سمجھ چکا تھا، لیکن اسے شبہ تھا کہ اس کا خاص مقصد ضرور ہوگا۔ اس سے صرف اتنا کہا گیا تھا کہ اسے ایک آدمی کی پشت پر اس طرح چاک سے ایک دائرہ بنانا ہے کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو اور اس دلچسپ مذاق کے لیے بھی وہ خود کو ہر طرح دوسروں کی نظر سے محفوظ رکھے گا۔ وہ آدمی جس کے لیے بالے کو حکم دیا گیا تھا، اسے دی جانے والی اطلاع کے مطابق یا تو یہیں تھا یا آنے والا تھا۔ اس کی پہچان کے لیے بالے کو ایک فوٹو دیا گیا جو سائز میں ایک کارڈ کے چوتھائی حصے کے برابر لیکن صاف تھا۔ مس پارکر سے اس کی ملاقات یہاں اتفاقیہ ہو گئی تھی۔ وہ بھی یہاں موجود تھی اور شاید کسی کا انتظار کر رہی تھی کہ بالے اس کے سامنے پڑ گیا اور بالے کو صاف ستھرا اور شاندار دیکھ کر نہ جانے کیوں اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک پیدا ہو گئی تھی۔ پھر جب بال رقص شروع ہوا تو خود ہی بالے کا ہاتھ تھام کر اٹھ کھڑی ہوئی، تب سے بالے اس کے ساتھ ناچ رہا تھا اور دوسری لڑکیاں مس پارکر کو رشک بھری نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔ وہ تھی بھی کافی خوبصورت اور پرکشش۔

ناچتے ناچتے بالے لڑکھڑانے لگا۔

''کیوں، پی تو نہیں ہے تم نے؟'' مس پارکر نے اس سے پوچھا۔

''نہ جانے کیوں آپ کی آغوش میں گر پڑنے کو جی چاہ رہا ہے۔''

''کیوں؟'' وہ مسکرائی۔

''مجھے میری خالہ یاد آرہی ہے۔وہ مجھے گود میں لے کر...''

''نانسنس، یہ کیا بکواس ہے؟''

''لیجیے، روٹھ گئیں۔میں تو مذاق کررہا تھا۔''

''تمہیں میرے ساتھ چنا پسند ہے کہ نہیں؟''

''بہت پسند ہے، ڈارلنگ۔''

''وہاٹ؟''

''آئی ایم ساری۔نہ جانے کیوں دل کی بات زبان پر آگئی۔میں کل سلاٹر ہاؤس جاکر اپنا دل کسی بکرے سے بدل لونگا۔''

''تم اس دن بھی بہکی بہکی باتیں کررہے تھے؟''

''کہاں، وہ بھی تو آپ کے قرب کا نتیجہ تھا۔آپ جب اپنے ملائم ہاتھوں سے میرا ہاتھ تھامتی ہیں تو میرا دل چاہتا ہے کہ بیہوش ہوجاؤں۔آپ جب میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مسکراتی ہیں تو میری کھوپڑی دوسو میل حلول الپلا تک جمپ مارنے لگتی ہے۔ہائے، میں کیا کروں؟''

''ڈوب مرو کہیں جاکر۔'' وہ ہولے سے اس کے سینے سے ٹکرا کر مسکرائی۔

''ان جھیلوں میں جس کا بیڑہ غرق ہوا ہو، وہ کدھر جائے گا کمبخت۔'' بالے نے اس کی آنکھوں کی طرف اشارہ کرکے کہا۔

''بہت آگے بڑھ گئے ہو۔''

''میں تو پہلے ہی دن آپ پر ہزار دو ہزار جانوں سے مرمٹا تھا۔''

''کیا تم سنجیدگی سے بھی یہی کہو گے؟''

''اگر آپ غصے میں ہوتیں تو میں رنجیدگی سے کہتا۔''

Akram Allahabadi

وہ ناچتے ناچتے آہستہ آہستہ گفتگو کر رہے تھے، لیکن بالے کی نظریں چاروں طرف دوڑ رہی تھیں۔ بالآخر وہ آدمی اسے نظر آ گیا جس کی اسے تلاش تھی۔ وہ ابھی ابھی اندر آ کر بیٹھا تھا۔ اس کے ساتھ ایک یہودی لڑکی اندر آ رہی تھی۔ اپنی بے ساختہ ہنسی اور مٹک جھٹک سے وہ کوئی پیشہ ور لڑکی ہی معلوم ہوتی تھی۔ بالے نے اس تصویر کو اپنے ذہن میں اچھی طرح محفوظ کر لیا تھا اور اس آدمی کو دیکھ کر اس یقین ہو گیا کہ یہ وہی ہے جس کے لیے اسے ہدایت دی گئی ہے۔ اس کا مقصد کچھ بھی، یا ردِ عمل کیا ہی ہو، اسے بہر حال اس وقت مارٹیگو کے حکم کی تعمیل کرنی تھی۔ اچانک مس پارکر اسے کچھ پریشان سی نظر آنے لگی اور بالے کو اپنے بازوؤں پر اس کی گرفت بھی کچھ ڈھیلی محسوس ہوئی۔ اس نے سر کو خفیف سا گھما کر دیکھا، وہ ہال کے دروازے کی طرف دیکھ رہی تھی، جہاں سیاہ سوٹ میں ملبوس ایک قد آور آدمی کھڑا اس طرف گھور رہا تھا۔ بالے نے اسے پہچان لیا۔ یہ وہی آدمی تھا جس نے بالے کو شروع میں مس پارکر کے پاس بھیجا تھا۔ بالے کو یاد آ گیا۔ اس نے اپنا نام رتن چند بتایا تھا۔ بالے جان بوجھ کر ایسا بن گیا جیسے اس نے رتن چند کو دیکھا ہی نہ ہو۔ مگر رتن چند اتنی دیر میں آنکھوں سے مس پارکر کو اشارہ کر کے ایک میز کی طرف بڑھ چکا تھا۔

''مجھے جانا چاہیے۔'' وہ گھبرا کر آہستہ سے بولی۔

''دو راؤنڈ ختم ہونے سے پہلے آپ نہیں جا سکتیں، ورنہ لوگ سمجھیں گے کہ آپ کو بدہضمی کی شکایت ہے۔''

''اوہ، چپ رہو تم اب اچھی باتیں نہیں کر رہے۔''

''خوشبودار گفتگو سے اکثر زکام ہو جاتا ہے۔''

''مجھے جانے دو۔'' وہ جھنجلا گئی، لیکن بالے نے اپنی بانہوں کی گرفت مضبوط کر لی تھی۔ اتنی دیر میں وہ آدمی اس یہودی لڑکی کے ساتھ بالڑکا ایک پیگ چڑھا کر راؤنڈ میں شامل ہو چکا تھا۔ بات بے قاعدہ سی تھی، لیکن معلوم ہوتا تھا اسے رقص کی زیادہ پرواہ نہیں یا ممکن ہے وہ

ان سے ناواقف ہو یا پھر کوئی اور سبب۔

بالے نے جیب میں ہاتھ ڈال کر ٹٹولا۔اس میں فاسٹ نیوی بلیو رنگ کا چاک موجود تھا، جو اسے اس کام کے لیے دیا گیا تھا۔بالے کی نگاہیں اب اس آدمی کا تعاقب کرنے لگیں۔اس نے اپنا چاک والا ہاتھ پارکر کی پشت پر لے لیا اور جیسے ہی وہ آدمی اپنی ہمرقص کے ساتھ ان کے قریب سے گزرا اس کی پیٹھ پر اپنی طرف ہوتے ہی بالے نے ٹرن لیا اور اس کے بالکل قریب ہو گیا۔پھر اس نے اتنی پھرتی سے اپنا کام کیا، وہ آدمی چونک کر چاروں طرف دیکھتا ہی رہ گیا۔اسے اگر اپنی آنکھوں سے اپنی پیٹھ نظر آسکتی تو وہ اپنی کوٹ کی پشت پر ابھی ابھی نمودار ہونے والے نیلگوں دائرے کو دیکھ کر اس کا نہ جانے کیا حال ہوتا۔پھر بھی اسے کچھ شک ضرور ہوا تھا، کیونکہ وہ چونکا چونکا سا نظر آرہا تھا۔ٹھیک اس وقت اس کی نظر مس پارکر پر پڑ گئی اور اس کا چہرہ زرد سا ہو گیا۔مس پارکر اس میز کی طرف دیکھ رہی تھی جہاں رتن چند بیٹھا ایک ٹک اسی طرف گھور رہا تھا۔

''مجھے جانے دو، میں آتی ہوں۔'' یہ کہہ کر اس نے بالے کے ہاتھ جھٹک دیے اور رقص گاہ سے باہر نکل گئی۔بالے نے دیکھا وہ اسی طرف جا رہی تھی۔بالے اکیلا رہ گیا تھا۔لیکن اسی وقت ایک لڑکی جو جودیر سے اسے للچائی ہوئی نظروں سے دیکھ رہی تھی آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ میں ہاتھ دے دیا اور بالے کو وہاں سے کھسکنے کا موقع نہ مل سکا۔یہ بداخلاقی ہوتی اگر وہ اس کا ہاتھ جھٹک دیتا۔وہ اس وقت کلیجہ مسوس کر رہ گیا جب اس نے مس پارکر کو رتن چند کے ساتھ ساتھ اٹھ کر باہر جاتے دیکھا۔

رتن چند کلب سے نکل کر اس کے کمپاؤنڈ کی روش پر آہستہ آہستہ چل رہا تھا اور مس پارکر کے پیر جیسے لڑکھڑا رہے تھے۔ممکن ہے یہ کسی نامعلوم دہشت کا اثر ہو۔

''تمہیں اپنی جگہ سے نقل و حرکت کرنے سے منع کیا گیا تھا؟'' رتن چند کہہ رہا تھا۔

''لیکن کب تک؟ میں وہاں پڑے پڑے گھبرا گئی۔''

''پولیس تم پر شبہ کر رہی ہے، یہ جانتے ہوئے بھی؟''

''لیکن میں نے تو یہاں کوئی ایسی حرکت نہیں کی جو کسی کے شبے کا باعث ہو۔''

''تم نے اس نئے ممبر کے ساتھ کیوں رقص کر رہی تھیں؟''

''میں نے سوچا اپنا آدمی ہے۔''

''اس کا مطلب یہ ہے کہ تم اسے بھی پولیس کی نظروں میں لے آؤ۔''

''بخدا ایسا نہیں ہے۔ یوں نہ سوچو، ڈیوڈ۔'' وہ لرز پڑی۔

''میں نہیں جانتا۔ تمہارے نقل و حرکت کی خبر باس کو برابر ملتی رہتی ہے اور تمہارے لیے بہت سخت آرڈرز ہیں۔'' رتن چند نے روکھے لہجے میں کہا۔

''اوہ نہیں۔ میں اس کے وفادار ترین ساتھیوں میں ہوں۔ وہ ایسا نہیں کر سکتا۔''

''میں یہ سب کچھ نہیں جانتا، اپنے مقام پر جاؤ اور باس کے آرڈر کا انتظار کرو۔''

رتن چند نے یہ کہہ کر باہر کھڑی ہوئی ایک کالے رنگ کی کار کی طرف اشارہ کیا، جس کا ڈرائیور پہلے سے بیٹھا ہوا تھا۔ نہ جانے اس جملے میں کونسی وارننگ پوشیدہ تھی جو مس پارکر کے ہاتھ پیر کانپنے لگے۔ وہ بمشکل تمام اس کار میں بیٹھی جس کا پچھلا دروازہ خود رتن چند نے کھول دیا تھا۔ کار اسے لے کر روانہ ہو گئی اور رتن چند پیدل سڑک پر چلنے لگا۔

☆☆☆☆☆☆

شوکت کو پوئی لیک ریسٹورنٹ کی چھت میں تارے نظر آ رہے تھے۔ وہ ایک پرائیوٹ کیبن میں اپنی سکریٹری کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ سامنے میز پر چکن روسٹ اور مٹن چاپ کی پلیٹوں کے علاوہ شمپئن کی ایک بوتل جو آدھی خالی ہو چکی تھی اور ڈیوک کے سوڈے کی دو بوتلیں رکھی تھیں۔ سائفن اس کے علاوہ تھا۔ دو گلاس بھی تھے جن میں سے ایک اس کے سکریٹری کے سامنے اور دوسرا شوکت کے ہاتھ میں تھا۔ شمپئن اس کی کھوپڑی پر اپنا رنگ دکھا رہی تھی۔

Akram Allahabadi

’’میں کیسا لگتا ہوں تمہیں؟‘‘ اس نے ادھ کھلی آنکھوں سے سکریٹری کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

’’لولی۔‘‘ وہ بڑے ناز سے مسکرا کر بولی۔

’’ہائے، جی چاہتا ہے... اس ہداپر... ہیم... قوربانا چاہیے۔‘‘

’’تم بھوت پی لیا ہے باس۔‘‘ سکریٹری نے اس کا گلاس تھام کر گویا اسے روکنے کی کوشش کی۔

’’فرباس۔ نحیں نحیں، ہم تو مارے کولی... اور تو م... ہیم... تو م... ڈارلنگ... ونڈرفل... یاؤ... ہیم... تھوڑی سی اور... باس تھوڑی سی۔‘‘ اس نے گلاس آگے بڑھادیا۔

’’اوہونہہ۔‘‘ سکریٹری نے ادائے محبوبانہ سے سر کو جنبش دی۔

’’تو میں... ہمارے خری سسم... باس... تھوڑی سی... یانی کہ... ساقیہ... بوند... دو بوند... ہیم... سمندر سے پلادے تو ہیم کیا جائے گا تیرا۔‘‘

سکریٹری شاید اس کے شعر کا مطلب تو نہیں سمجھ سکی، لیکن اس نے بغیر سمجھے ہی ایک پیگ وسکی اس کے گلاس میں اور انڈیل دی۔

’’اچ... چھا، فرض کرو کہ... میں ہیم... یانی کہ... میں اومر قیام... اور تو م... تو م... اے مرے ساقی... تو ہیم...‘‘ سکریٹری نے کوئی جواب نہیں دیا، وہ صرف اس کے چہرے پر نظریں جمائے رہی۔

’’یانی کہ وہ فیشن موختار والا ہومر خیام... نحیں... ایں... وہ والا یانی کہ وہ ایران میران میں پیدا ہوا تھا نا کوئی... وہ والا... ہیم... بہوت اچھا شائر تھا سالا۔ لوگ کہتے بس ایک حسین ساقی منہ میں اور صورائی بغل میں۔‘‘

’’یو مین اومر خیام دی پوئیٹ۔‘‘ سکریٹری کو جیسے عمر خیام کا تذکرہ یاد آ گیا۔

’’نا ئیں... نا ئیں... نا ئیں... دیٹ نحیں۔ ہومر قیام... شائر... یانی کہ شیر والا جیسے

Akram Allahabadi

اپنے یاں نہیں ہوتے سالے، باٹلی والا، دانے والا، پانی والا، وغیرہ وغیرہ۔"

"اوہ، یومین ویٹ۔" وہ منہ سکیڑ کر پھر انگریزی میں بولی۔

"فرنگی مت بولو۔ میں بی اے، میم اے نہیں ہوں۔" شوکت نے برا سا منہ بنا کر شکایتی لہجے میں کہا۔

"آئی ایم ساری۔"

"پھر وہی... ہیم..."

ابھی ان کی گفتگو یہیں تک پہنچی تھی کہ کیبن کا دروازہ کھلا اور ایشور لال اندر آ پہنچا۔ وہ فربہ اندام زرد رنگ کا تقریباً چالیس سالہ آدمی تھا۔

"ہیلو۔" اس نے شوکت کو مخاطب کیا۔

"کون ہے یہ دخل در معقولات۔" شوکت نے مچی مچی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔

"آپ یہاں بیٹھے ہیں اور وہاں کچے شیشے کا کنسائنمنٹ آیا ہوا ہے۔" ایشور لال اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے بولا۔ ساتھ ہی اس نے شوکت کے سکریٹری کو آنکھ سے کچھ اشارہ کیا اور وہ مسکرا دی۔

"تو میں کیا قر سکتا ہوں؟" شوکت نے بوجھل سر کو جھٹکتے ہوئے کہا۔ "تم خود بھگتو۔"

"بغیر آپ کے دستخط کے اسے وصول نہیں کیا جا سکتا اور آپ کا بھی ہونا ضروری ہے۔ ممکن ہے میرے آدمی کوئی بے ایمانی کریں۔"

"میں تو... ہیم... اس وقت جنت میں پی بلاؤ تو نہیں جاؤنواں۔" شوکت نشے میں جھومتے ہوئے بولا۔ پھر اسے اچانک یاد آ گیا کہ باس نے اس سے کہا تھا کہ وہ ایسے موقع پر خود موجود رہے۔

"مغر نہیں... میں جاؤنواں۔" اس نے پھر اپنا فیصلہ بدل دیا۔

Akram Allahabadi

''نائیں ڈیئر، تم جائے گا تو ہم روئے گا۔''سکریٹری نے فوراً اس کا بازو تھام لیا۔

''اے لو، آپ کو قیا تغلیغ ہے؟ یانی کہ کیا تغلیھ... ہیم...''مگر جواب دینے کی بجائے سکریٹری دونوں ہاتھوں سے منہ ڈھانپ کر رونے لگی۔

''ارے ارے، ہیم...تم تو رونے لگیں...لو...لواللہ قسم جو جائے وہ سور۔ہیم...نہیں جاتا...بس۔''وہ اسے چمکارنے لگا۔

''تم کو میرا کوچھ کھیال نئیں۔''سکریٹری نے نخرے کرنا شروع کیے۔

''ارے نئیں، توبا توبا، بہوت خایال ہے تو مارا۔الا قسام۔بھوت بھوت...ہم۔اور تم سالے پارٹنر صاحب بھی...یہی موقا ملا تھا آپ کو آنے کا؟''

''آپ اس وقت نشے میں ہیں۔''ایشور لال نے موڈ بگاڑ کر کہا۔

''کون؟ نشے میں تم خود۔یانی کہ وہ کیا ایسا میسا سمجھا ہے کیا۔''

''ڈیئر، دستخط کر دو نا کاغذ پر۔یہ چلے جائیں گے۔''سکریٹری نے پیار سے شوکت کے گال پر طمانچہ مار کر کہا۔

''نہیں، میں انھیں بھی ساتھ لے جاؤں گا۔''

''پلیز، مسٹر ایشور لال۔''سکریٹری نے گویا خوشامد کی۔

''ہاں ہاں، پلیز، مسٹر پیشور لال۔ہیم سالے پارٹنر صاحب۔دفاع ہو جاؤ نا، لاؤ میں خدخست کر دوں تمہارے اس پر۔''شوکت نے ہاتھ بڑھا کر کاغذ طلب کیا۔

''بہت بری بات ہے اتنی پی لینا۔''ایشور لال نے جیب سے کاغذ نکال کر اسی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

''ارے جاؤ، پیتے ہیں تو پانی پیتے ہیں...ہیم...اللہ دیتا ہے تو پیتے ہیں اور یانی کہ وئی بات ہوئی کہ تیلی کا تیل چلے...ہیم...اور مشعلچی کی...''

''ڈارلنگ، مسٹر ایشور لال تمہارے پارٹنر ہیں۔''سکریٹری نے اس کے منہ پر ہاتھ

Akram Allahabadi

رکھ دیا۔

"ہاں، بھئی تو میں کے رہا ہوں.. ہیم۔"

شوکت نے جیب سے قلم نکال کر بہکتے ہاتھ سے اس کاغذ پر دستخط کر دیے۔ ایشور لال کاغذ جیب میں ڈال کر اٹھ کھڑا ہوا اور شوکت کی سکریٹری نے اس کے گلے میں ہاتھ ڈال دیے۔

"اللہ قسم، دنیا بھی کتنی حسین ہے، جیسے، جیسے، کشمیر کا سیب۔" شوکت نے شاعری شروع کر دی، لیکن ایک پیگ اور اسے میز پر اوندھانے کے لیے کافی تھا۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

پراسرار انکشافات

اپنے کمرے میں داخل ہوتے ہی مس پارکر دروازہ بند کر کے پہلے سیدھی آئینے کے سامنے پہنچی اور جیسے ہی اس نے گھوم کر اپنی پشت آئینے میں دیکھی، اس کا منہ فق ہو گیا۔ اس پر ایک نیلگوں دائرہ بنا ہوا تھا۔ وہ گم سم سی بوجھل ہو کر صوفے پر گر پڑی۔ وہ اس نیلے دائرے کا مقصد سمجھتی تھی۔ یہ اس کے معطل کیے جانے کا وہ پراسرار حکم تھا جو اس کے نامعلوم باس کی طرف سے اسے دیا گیا تھا۔ وہ بڑی دیر تک گم سم صوفے پر پڑی رہی، لیکن جب رفتہ رفتہ اس کی حالت اعتدال پر آئی تو کچھ سوچ کر وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ نیچے ہال میں آ کر اس کا رخ ٹیلی فون روم کی طرف ہو گیا۔ یہاں اتفاق سے اس وقت کوئی نہیں تھا۔ اس نے دروازہ اندر سے بھیڑ لیا اور فون کے نمبر ڈائل کرنے لگی۔ کچھ دیر بعد دوسری طرف سے ہیلو کی ایک جاسوسی آواز سنائی دی۔

''پارکر ہیر۔''

''یس۔''

''مجھ سے کیا قصور ہوا ہے، باس؟'' وہ لرزتی آواز میں بولی۔

''تمہیں یہ پوچھنے کی جرأت کیسے آئی؟ کیا تم خود نہیں جانتیں؟'' دوسری طرف سے جواب ملا۔

''جج... جانتی ہوں، باس۔ مگر میں اپیل...''

''شٹ اپ۔ میں اپیلوں پر اپنے فیصلے نہیں بدلتا۔ تمہیں دو ہفتے کے لیے معطل کیا گیا ہے، لیکن اگر تمہارا کنڈکٹ مشتبہ ہوا تو جانتی ہو آگے کیا ہوگا۔''

''لیکن یہ میرا ذاتی معاملہ ہے، باس۔ میں اس نوجوان کو پسند کرتی ہو۔'' مس پارکر جذبات سے بے قابو ہو کر تقریباً چیخ اٹھی، مگر دوسری طرف سے جواب ملنے کی بجائے لائن کٹ

کردی گئی۔وہ دونوں ہاتھوں سے سر تھا کر وہیں بیٹھ گئی۔اسے اس وقت یہ خبر بھی نہ ہوئی کہ کوئی دبے قدموں اس کمرے میں داخل ہوا ہے۔لیکن جب اس نے کسی کے ہاتھ کا وزن اپنے پر محسوس کیا تو وہ چونک پڑی۔وہ بالے تھا۔

''میں سب سن چکا ہوں، مس پارکر۔'' بالے نے اور قریب ہوتے ہوئے سنجیدہ لہجے میں کہا۔بالے کو دیکھ کر اس کے چہرے کی پژمردگی میں سرخی پیدا ہو گئی تھی۔

''لیکن تم نہیں جانتے کہ اب کیا ہو گا۔''

''یہ جاننے کی ضرورت نہیں، میں تمہارا ساتھ دوں گا۔''

''تم۔'' وہ خوشی سے بے قابو ہو کر اس سے لپٹ گئی۔'' کتنے اچھے ہو تم۔میں جانتی تھی کہ میری محبت بے اثر نہ ہو گی۔''

''مگر تم اتنی خوفزدہ کیوں ہو؟'' بالے اس کے ریشمیں بالوں پر ہاتھ پھیرنے لگا۔

''اوہ...خوفزدہ؟ نہیں، اب نہیں۔تم مل گئے تو مجھے اب اپنی موت کی بھی پرواہ نہیں ہے۔مگر..'' وہ کہتے کہتے رک گئی۔

''مگر کیا؟'' بالے اس کا چہرہ اوپر اٹھا کر اس کی آنکھوں میں گھورنے لگا۔

''مگر مجھے ڈر ہے تو تمہارا۔کہیں اس کا عتاب تم پر بھی نازل نہ ہو جائے۔''

''کس کا عتاب؟ کیا مارٹیگو؟ ہونہہ...میں اس کا زرخرید غلام نہیں ہوں۔'' بالے کسی قدر جوش میں آ کر بولا۔

''نہیں۔مارٹیگو خود اس کے سامنے ایک حقیر غلام کی طرح ہے۔''

''کس کے سامنے؟''

''کیا تم نہیں جانتے اسے؟...مگر تم کیا جانو گے۔تم اس ریکٹ کے ایک معمولی ممبر ہو۔''

''کیا ابھی تک تمہیں کچھ بھی معلوم نہیں؟''

Akram Allahabadi

''نہیں۔ مجھے تو صرف اس قدر کام دیا گیا تھا کہ میں کسی کو نظروں میں نہ آئے بغیر ایک آدمی کی پیٹھ پر نیلے چاک سے ایک دائرہ بنا دوں اور مجھے یہ کام مارٹیگو نے دیا تھا۔''

''تو تم مارٹیگو کے چھوٹے نام سے واقف ہو؟''

''یعنی مارٹی۔ اوہ، یہ تو نہ جانے کس نے میرے سامنے اس کا نام لیا تھا۔''

''خیر، یہ باتیں یہاں کرنے کی نہیں ہیں۔ چلو اوپر کمرے میں بیٹھیں گے۔''

یہ کہہ کر وہ باہر نکل آئی۔ نچلے ہال میں اس وقت کوئی نہ تھا۔ وہ زینہ طے کرتے ہوئے اوپر آ گئے۔

کمرے کا دروازہ اندر سے بند کرتی ہوئی وہ صوفے پر بالے کے پاس ہی آ بیٹھی۔

''کیا واقعی تم مجھے پسند کرتے ہو؟'' اس نے بالے کے دوش پر سر رکھتے ہوئے پوچھا۔

''تمہیں شک ہے کیا؟''

''نہیں۔ یہ احساس مجھے پہلے ہی دن سے تھا، لیکن میں بڑی الجھن میں ہوں۔''

''کیسی الجھن؟''

''اس نے میرے سامنے صرف دو بارتیں رکھی ہیں۔ یا تو تمہیں قطعی بھلا دوں یا اس کے عتاب کا شکار ہوں۔'' وہ جذبات سے کانپتی آواز میں بولی۔

''تمہیں وہ راستہ اختیار کرنا چاہیے جو میں تمہاری سلامتی ہو۔ میرا کیا، جہاں سے آیا تھا وہیں چلا جاؤں گا۔'' بالے نے لہجے میں اداسی پیدا کر لی۔

''نہیں، ایسا نہ کہو۔ تم اب میرے روم روم میں سما چکے ہو۔ میں کسی قیمت پر تمہیں نہیں بھلا سکتی۔ چاہے وہ میری کھال ہی کیوں نہ کھینچ لے۔''

''تب مجھے اپنی حفاظت کرنے دو اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے جب تم مجھے اس نامعلوم ریکٹ کے کے متعلق اندھیرے میں نہ رکھو۔''

Akram Allahabadi

''تو سنو۔'' یہ کہتے ہوئے اس نے چاروں طرف نظر دوڑائی، پھر کچھ خیال کر کے اٹھی اور اس نے کمرے کی کھلی کھڑکی بھی بند کر دی۔ بالے اب ہمہ تن گوش تھا۔

''یہ ایک بین الاقوامی اسمگلنگ ریکٹ ہے اسراس کی تنظیم اس قدر خوفناک اور باضابطہ ہے کہ آج تک کوئی اس کے طریق کار کا سراغ نہیں لگا سکا ہے۔ خود ہم لوگ بھی نہیں جانتے کہ کب کسے کیا کرنے کا آرڈر ملے گا۔ اس کا سربراہ جس کے بارے میں ہم سنتے آئے ہیں کہ انتہائی پراسرار اور خوفناک آدمی ہے، اس قدر بے رحم واقع ہوا ہے کہ معمولی سی غلطی پر بھی کوئی اس کی سزا سے نہیں بچ سکتا۔ اور یہ سزا پہلی صورت میں معطل، دوسری صورت میں ہر اثاثے سے محرومی اور تیسرے اسٹیج میں موت تک پہنچتی ہے۔'' اس نے رازدارانہ لہجے میں بتایا۔

''تو کیا کندن لال بھی اسی سزا کا شکار ہوا تھا؟''

''کندن لال۔'' وہ چونکی۔ ''تم کو کیسے معلوم ہوا یہ؟'' اس نے اسے شبے کی نظروں سے دیکھ کر پوچھا۔

''یہ کوئی خاص بات نہیں۔ میں نے ایک اخبار میں پڑھا تھا کہ اس کی پیٹھ پر تین نیلے دائرے بنے تھے۔'' بالے نے لاپرواہی سے جواب دیا۔

''ہاں۔ اس نے شکایت کی تھی کہ اسے شیئر کم مل رہا ہے۔ جس پر اسے معطل کر دیا گیا۔ پھر اس نے شاید مارٹیگو کو دھمکی دی تھی کہ وہ اس کا پول کھول دے گا، اس پر اسے دوسرا رنگ ملا، یعنی بھکاری بن گیا، لیکن باس کو شاید اب بھی اس کی طرف سے اطمینان نہ تھا، اس لیے اسے تیسرا رنگ بھی مل گیا۔''

''یعنی اس نے خودکشی کر لی۔'' بالے مسکرایا۔

''اس قسم کی تمام موتوں کو پولیس والے یا تمام لوگ خودکشی کے سوا اور کچھ ثابت نہیں کر سکتے، کیونکہ بتدریج دی جانے والی سزا عام لوگوں کی نظر میں اس آدمی کے دماغی فتور کا شکار

بنا دیتی ہے۔اور پھر جب وہ پھانسی پر لٹکا دیا جاتا ہے،تو سب کے ذہن میں ایک ہی خیال پیدا ہوتا ہے کہ دماغی توازن بگڑ جانے کا یہ نتیجہ ہے۔''

''بہت چالاک ہے اس تنظیم کا سربراہ۔''

''تم اس کی چالاکی کا اندازہ نہیں لگا سکتے۔ان دنوں یہ ریکٹ دو لاکھ مہینے کے حساب سے ہندوستان میں سونا اسمگل کر رہا ہے۔''

''تمہیں کیسے معلوم ہو گیا سب؟''

''میں اس کے معتمد ممبروں میں سے تھی اور نئے ممبر بنانے کا کام میرے سپرد تھا۔ رتن چندا کثر ایسے ضرورتمندوں کو پھانس کر میرے پاس بھیجتا ہے،جنہیں جانچ لینے کے بعد میں مارٹیگو تک پہنچوا دیتی اور مارٹیگو انھیں پہلے سمجھ میں نہ آنے والے معمولی غیر قانونی کاموں سے ٹریننگ دیتا ہوا بڑے کاموں تک لاتا تھا۔''

''کیا یہ سزا تنظیم کے معمولی ممبروں کو بھی دی جاتی ہے؟''

''نہیں۔معمولی ممبروں کو تو مختلف چارٹوں کے ذریعے بھی ختم کر دیا جاتا ہے،یا پھر نکال دیا جاتا ہے،کیونکہ ان سے کام ہی ایسے لیے جاتے ہیں جو تنظیم کے بارے میں کچھ جاننے کا موقع نہیں دے سکتے۔وہ ان کاموں کو کسی رئیس کی مسخری ذہنیت کا تماشہ سمجھتے ہیں۔''

''کیا تم یہ زندگی پسند کرتی ہو؟''

''اوہ،ڈیئر۔میرے ہونٹ کتنے جل رہے ہیں۔پتا نہیں آنے والی گھڑیاں میرے لیے کیا لا رہی ہوں۔کیا تم مجھے ایک بوسہ بھی نہ دو گے؟''

خدا جانے اس میں بالے کی اپنی قوت ارادی کو بھی دخل تھا یا محض مصلحت،بہر حال اسے اس کی فرمائش کی تکمیل کرنی ہی پڑی۔وہ فرطِ جذبات سے بیہوش ہو جانے والے انداز میں اس کی بانہوں میں جھول گئی۔بالے فرشتہ نہ تھا،ایک گداز و حسین مجسمہ اس کی آغوش میں تھا اور اگر وہ اس وقت جوابی گرمجوشی کا مظاہرہ نہ کرتا تو مس پارکر کو اس پر شک بھی ہو سکتا تھا۔وہ

اس سے اور بہت کچھ معلوم کر لینا چاہتا تھا۔

''کیا تم اس نامعلوم باس کو نہیں جانتیں؟''

''میں صرف اتنا جانتی ہوں کہ اس کا نام ریڈ رنگ ہے۔ اور یہ بھی تنظیم کے بہت کم لوگوں کو معلوم ہوگا۔ میں کیونکہ اس کے بین الاقوامی بورڈ سے تعلق رکھتی ہوں، اس لیے صرف ایک بار میں نے اسے دیکھا تھا۔''

''تم نے اسے دیکھا بھی تھا۔'' بالے نے حیرت سے دہرایا۔

''ہاں، خلیج فارس سے امریکہ جاتے ہوئے ہماری ایک کانفرنس انٹیا نامی آسٹریلوی جہاز پر ہوئی تھی اور اس میں وہ صرف پانچ منٹ کے لیے شریک ہوا تھا۔''

''اتنی بڑی تنظیم چلانے والا کوئی تجربہ کار بوڑھا ہی ہوگا؟''

''نہیں۔ وہ خود مضبوط قویٰ کا رعب دار آدمی معلوم ہوتا تھا۔ اس کے سامنے کسی کو سر اٹھانے کی جرأت نہیں ہوتی تھی۔''

''تم نے اس کی شکل نہیں دیکھی؟''

''کسی نے بھی نہیں۔ وہ پورے چہرے پر ایک چست سیاہ نقاب پہنے تھا۔''

''کیا کسی نے اس کی شخصیت کو جاننے کی بھی کوشش نہیں کی؟''

''اس وقت وہ انٹیا جہاز کے مسافروں میں سے ہی کوئی ایک تھا، لیکن اس قسم کی حماقت وہی کر سکتا جسے اپنی لاش سمندر کے خوفناک جانوروں کی خوراک دینا پسند ہوتا۔'' وہ یہ کہہ کر اس کی بانہوں میں جھولنے لگی۔

''اگر اسے یہ معلوم ہو گیا کہ اس وقت تم یہاں موجود ہو تو شاید میرے ساتھ تم بھی خطرے میں پڑ جاؤ گے۔ تم خدا کے لیے چلے جاؤ۔ میں کسی اور طرح تم سے ملنے کی کوشش کروں گی۔''

وہ اچانک اپنے باس سے ہونے والی گفتگو کے اختتام پر اس کی پراسرار خموشی کا

خیال آجانے سے چونک پڑی۔اس کا چہرہ پھر زرد ہوگیا۔

''یہ ناممکن ہے کہ میں تمہیں موت کے منہ میں چھوڑ دوں۔اور پھر ایسا ہی ہے تو تم پولیس کی پناہ کیوں نہیں لے لیتیں۔میں تو مرد ہوں، کسی طرح نبٹ لوں گا۔''

''پولیس کا نام نہ لو، ورنہ تیسرے رنگ کا حکم کوئی نہیں ٹال سکتا۔میں دیکھ چکی ہوں کہ کوئی بھی طاقت اس کے تیسرے حکم کو روکنے کی اہل نہیں۔اور پھر یہاں کی پولیس کیا کر سکے گی جبکہ اسکاٹ لینڈ یارڈ کی پولیس اس کا کچھ نہ بگاڑ سکی۔''

''خیر، گولی مارو پولیس کو۔مگر میں اپنے جیتے جی تو تم پر اس کا عتاب نازل نہ ہونے دوں گا۔''

''خدا کے لیے ضد نہ کرو، جس طرح میں کہہ رہی ہوں اسی طرح کرو، ورنہ نہ میں رہوں گی نہ تم۔''وہ اس کے ہاتھ تھام کر التجا کرنے لگی۔

''خیر تمہاری مرضی۔لیکن اگر مجھ سے کچھ نہ چھپاتیں تو شاید میں اس سے ٹکر لیتا۔''

''میں نے تم سے کچھ نہیں چھپایا ہے، مگر اس سے ٹکرانے کا خیال چھوڑ دو۔یہ ناممکن ہے۔''

''میرے آنے سے پہلے تم اس سے فون پر گفتگو کر رہی تھیں۔اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہیں اس کا فون نمبر بھی معلوم ہے؟''

''ارے وہ ریڈ رنگ نہیں تھا۔وہ تو ہماری ہندوستانی تنظیم کا باس ہے۔ریڈ رنگ کے پانچ بڑے ساتھیوں میں سے ایک ہے۔''

''کیا وہ ہندوستان ہے کوئی؟''

''ہاں۔لیکن اس کا نام بھی کوئی نہیں جانتا اور اس کا مقام بھی۔مختلف اوقات میں اس کے مختلف ٹیلی فون نمبر ہوتے ہیں۔اور وہ بھی معتمد ممبروں تک کو بھی سب معلوم نہیں۔مجھے یہی صرف رات کے اوقات کے نمبر معلوم ہیں۔''

Akram Allahabadi

''کتنے نمبر ہیں اس کے رات کے اوقات کے؟''

''یہ تم کیوں پوچھ رہے ہو آخر؟'' وہ چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

''میں کہہ چکا ہوں کہ یا تو وہ تمہیں معاف کر دے ورنہ میں اس سے ضرور ٹکراؤں گا۔''

''اوہ ڈارلنگ، کتنے بہادر اور باوفا ہو تم۔'' اس نے یہ کہہ کر بالے کی چھاتی پر اپنا سر رکھ دیا۔

''اس سے پہلے کہ وہ تمہارے خلاف کوئی قدم اٹھائے، تم مجھے اس تک پہنچنے کا راستہ بتا دو۔'' بالے نے کہا۔

''رات کو وہ ساڑھے چھ بجے سے ساڑھے آٹھ بجے تک فون ۳۲۱۵۶ پر ملتا ہے۔ ساڑھے آٹھ بجے سے ساڑھے دس بجے تک ۴۲۰۰۱ پر اور ساڑھے دس بجے سے ۱۲ بجے تک ۵۷۵۱۳ پر۔ اس کے بعد وہ نہیں ملتا۔''

''تم کس نام سے بلاتی ہو اسے؟''

''جیکب۔''

''خیر، میں اب دیکھوں گا کہ وہ تمہارا کیا بگاڑتا ہے۔''

''نہیں، ڈیئر۔ خدا کے لیے کوئی غلط قدم نہ اٹھاؤ۔ اس کے ہاتھ چاروں طرف پھیلے ہوئے ہیں۔ تمہیں میری قسم۔''

''اور اسے تم پر عتاب نازل کرنے دوں۔''

''ممکن ہے وہ کسی وقت خوش ہو کر مجھے معاف بھی کر دے، ورنہ اور کوئی طاقت ہمیں اس سے نہ بچا سکے گی۔ پولیس و ولیس تو اس کے سائے تک بھی نہیں پہنچ سکتی۔''

''اچھا ایک بات بتا دو کہ وہ بڑا باس کہاں ہے آج کل؟''

''ریڈ رنگ؟ اس کے بارے میں کسی کو نہیں معلوم۔ اس کے نقل و حرکت کی خبر کسی کو

نہیں رہتی۔ تنظیم کے چھوٹے سربراہ صرف اس کے آرڈر کا انتظار کرتے ہیں جوان تک کسی طرح پہنچتے ہیں، یہ مجھے بھی معلوم نہیں ہے۔"

"بہت اچھا۔ میں تمہاری سزا کم کرانے کی کوشش کروں گا۔" یہ کہہ کر بالے چلنے لگا۔ اس کی محبوبہ نے اپنے پتلے پتلے ہونٹ اس کی طرف بڑھا دیے۔ اور بالے کمزوریوں سے بھرا ایک انسان تھا۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

دوسرا دائرہ

''شاباش۔تم نے بالکل ٹھیک کام کیا ہے۔'' مارٹیگو کی آواز نے بالے کو چونکا دیا۔ اسے ایک چٹ کے ذریعے اس مقام پر پہنچنے کی ہدایت کی گئی تھی۔میوزیم میں اس وقت کافی بھیڑ تھی اور اس بھیڑ میں اسے اپنے پشت پر کسی کا ہاتھ محسوس ہوا۔پھر مارٹیگو کی آواز سنائی دی۔ وہ اس وقت ایک شریف ترین شہری کی طرح مسکین سی صورت بنائے ہاتھ میں ایک مڑی ہوئی چونچ کی پتلی سی چھڑی لے کر کھڑا تھا اس کا رنر میں اس وقت بھی کافی آدمی تھے۔بالے کو فوراً ہی یہ احساس ہو گیا کہ اس جگہ مارٹیگو اکیلا نہیں ہوگا،ورنہ اس بھیڑ بھاڑ میں اس جیسے خطرناک آدمی کا کیا کام۔بالے صرف سر کی جنبش سے تا دیباً اس کی بات کا جواب دے کر مسکرا دیا۔

''لیکن وہ یہاں بھی موجود ہے۔'' مارٹیگو نے اپنی آنکھوں سے ایک طرف اشارہ کر کے کہا۔اس کا لہجہ سرگوشی کا تھا۔بالے نے دیکھا وہ آدمی جس کی پشت پر اسے نیلا دائرہ بنانے کی ہدایت کی گئی تھی،اس بھیڑ میں موجود تھا۔اس کے ساتھ وہی آوارہ قسم کی خوبصورت یہودی لڑکی تھی جو اس دن ہوٹل میں دیکھی گئی تھی۔مارٹیگو نے اس آدمی کی طرف پشت کر رکھی تھی۔وہ اس کی نظر سے بچ رہا تھا۔

''جی ہاں۔'' بالے نے اسے گھورتے ہوئے جواب دیا۔

''تمہارا خرچ تمہاری جیب میں ہے اور اس کی پیٹھ پر ایک دائرہ اور بننا چاہیے۔ یعنی دو دائرے۔''

مارٹیگو نے بالے کے کان کے قریب منہ لا کر بڑبڑانے والے انداز میں کہا۔اور بالے نے جیب ٹٹولتے ہوئے جب مڑ کر دیکھا تو مارٹیگو بھیڑ میں مدغم ہو چکا تھا۔وہ سمجھ گیا کہ اس وقت اس کی نقل و حرکت پر بھی نظر رکھی جائے گی۔چنانچہ یہ محسوس کرنے کے بعد کہ نوٹوں کی

ایک گڈی اس کی جیب میں موجود ہے، لاپرواہی سے بھیڑ میں چلتے ہوئے اس آدمی کی طرف کھسکنا شروع کردیا اور پھر اس کی پشت پر پہنچ کر وہ اچانک اس طرح اس پر جھک گیا جیسے کسی نے ہجوم میں اسے پیچھے سے کسی نے ڈھکیلا ہو۔

دو دائرے اس آدمی کی پشت پر بن چکے تھے اور اسے شاید خبر بھی نہ تھی کہ پیچھے سے اسے کیوں دھکا لگا تھا۔ وہ اطمینان کے ساتھ اس یہودی لڑکی کا ہاتھ تھامے فرعونِ مصر کی نقلی ممی کو دیکھ رہا تھا۔ بالے ہٹ کر کونے کی طرف آگیا اور بے فکری کے انداز میں سگریٹ سلگا کر لمبے لمبے کش لینے لگا۔ وہ اب بجائے مارٹیگو کے اس آدمی کا پیچھا کرنے اور اس کی شخصیت کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔

چند منٹ بعد وہ آدمی یہودی لڑکی کے ساتھ یہاں سے نکل کر سیڑھیاں چڑھتا ہوا باہر نکل آیا۔ بھیڑ اتنی تھی کہ اس کا پیچھا کرنے میں بالے کو کوئی دقت نہیں پیش آئی۔ پھر بھی وہ اس قدر محتاط تھا کہ کسی کو اس پر اس کا پیچھا کرنے کا شبہ بھی نہ ہو۔ میوزیم کے پیچھے ایک ڈیسوٹو کار کھڑی تھی جو شاید اس آدمی کی تھی۔ کیونکہ وہ خود ہی اس کی ڈرائیونگ سیٹ والا دروازہ کھول کر اندر بیٹھنے جا رہا تھا۔ مگر اس وقت اس کے ساتھ والی لڑکی چونک پڑی۔ اس کی نظر اس آدمی کی پشت پر تھی۔

''آج پھر کسی نے مذاق کیا ہے تم سے، رانا۔'' اس نے کار میں اس کے پاس بیٹھتے بیٹھتے اس کی پیٹھ کی طرف اشارہ کیا۔

''کیا؟'' وہ چونک پڑا۔

''اس رات تمہاری پیٹھ میں صرف ایک ہی دائرہ کسی نے بنایا تھا، آج تو دو بنے ہیں۔''

''دو دائرے۔'' رانا کا چہرہ فق ہوگیا۔ ''مگر...دو...دو...'' اس کی آواز حلق میں اٹکنے لگی۔ وہ لڑکی اب اسے حیرت سے دیکھ رہی تھی۔

''آخر اس میں ایسی کیا بات ہے، تم اس طرح خوفزدہ ہو جاتے ہو؟ اس دن بھی...''

''کچھ نہیں، کچھ نہیں۔'' وہ اس کی بات کاٹ کر بول اٹھا، لیکن اس کا چہرہ بتا رہا تھا کہ وہ زبردستی لاپرواہی جتانے کی کوشش کر رہا ہے۔

''نہیں، کچھ بات ضرور ہے، تمہیں میری قسم جو نہ بتاؤ۔'' وہ بڑے ناز سے اٹھلا کر اس کے کاندھے پر سر رکھتے ہوئے بولی۔

''ببب... بب... با... آت...'' وہ گھبراہٹ میں ہکلانے لگا۔ ''بس یوں سمجھو کہ... کہ ...میری جان کا خطرہ ہے۔'' اس نے بہ مشکل کہا۔

''کیسا خطرہ؟ کیا ان دائروں سے؟'' یہودی لڑکی نے پوچھا۔

''ہاں۔ مگر تم نہیں سمجھ سکو گی، نادرہ۔ تم نہیں سمجھ سکو گی۔'' وہ پریشان لہجے میں کہنے لگا۔

''تم مجھے بتانا نہیں چاہتے۔'' لڑکی نے برا سا منہ بنا لیا۔

''اوہ، اب کیسے بتاؤں تمہیں۔ اچھا، اس طرح سمجھو کہ کوئی میری ساری دولت چھین لینا چاہتا ہے۔'' اس نے گول مول سا جواب دیا۔

''تو تم پولیس میں رپورٹ کیوں نہیں دیتے؟''

''پولیس؟ نہیں، نادرہ۔ خدا کے لیے تم اس کا ذکر بھی کسی سے نہ کرنا۔ کسی سے بھی نہیں، ورنہ میری زندگی بھی مجھ سے چھین لی جائے گی۔ مجھ سے وعدہ کرو، ڈارلنگ، قسم کھاؤ میرے سر کی۔'' وہ جذباتی مگر خوفزدہ انداز میں نادرہ کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھ میں دبا کر التجا کرنے لگا۔

''اچھا نہیں کروں گی، لیکن اگر تم کسی ڈر سے اعلانیہ طور پر پولیس سے مدد نہیں لے سکتے تو کچھ آدمی اپنی حفاظت کے لیے رکھ لو۔''

''ناممکن ہے، نادرہ۔ تم نہیں سمجھتیں۔ ان دائروں کے پیچھے کس قدر خوفناک ہاتھ

کام کر رہا ہے۔ وہ مجھے زمین کی تہہ سے بھی ڈھونڈ نکالیں گے۔"

"تو پھر؟"

"میں انھیں راضی کرنے کی کوشش کروں گا۔ ایسا کرو تم اس وقت ٹیکسی پر گھر چلی جاؤ، میں پھر آ کر ملوں گا تم سے۔"

"کیا یہ اسی وقت ضروری ہے؟"

"ہاں، ڈارلنگ تم سمجھتی کیوں نہیں؟"

"اچھا، میں جاتی ہوں۔" یہ کہہ کر وہ کار سے اتر گئی اور اس کے سامنے ہی ایک ٹیکسی میں بیٹھ کر اسے ہاتھ کے اشارے سے الوداع کہتی ہوئی روانہ ہو گئی۔

اس کے جاتے ہی رانا نے کار اسٹارٹ کر دی۔ وہ کسی گہری سوچ میں پڑا ہوا تھا۔ اس نے کلائی کی گھڑی دیکھی۔ اس وقت چھ بجنے میں ۲۵ منٹ تھے۔ وہ گھنی آبادی سے دور آ کر کار ایک سونی جگہ پر کھڑی کر کے پیدل چل کر ایک معمولی سے بار میں گھس گیا۔ بہت کم لوگ جانتے تھے کہ اس بار میں غیر قانونی شراب بھی بکتی ہے۔ رانا کو بار کے مالک نے پہچان لیا۔ وہ اس کے سامنے آ کر مسکرانے لگا۔

"اب کیوں پہچانو گے، رانا صاحب۔ دینے والے نے چھپر پھاڑ کر دیدیا ہے۔" اس نے شکایتی لہجے میں کہا۔

"نہیں، یہ بات تو نہیں ہے۔" رانا نے بھی مسکرانے کی کوشش کی۔ "بیوپار سے فرصت جو نہیں ملتی۔" وہ بولا۔

"ہمیں بھی بتا دو کوئی ایسا بیوپار جو ہفتے ہفتے میں لکھ پتی بنا دے۔" منیجر نے اس کے کان میں سرگوشی میں کہا۔

"تم... اس سے تو بہتر ہوگا کہ خدا سے اپنی موت مانگو۔" یہ کہتا ہوا وہ دوسرے دروازے سے بار کے اندر والے حصے میں چلا گیا اور منیجر کچھ نہ سمجھ کر بھی مسکراتا رہ گیا۔ اس کے

Akram Allahabadi

اندر جاتے ہی بار میں جو نیا آدمی داخل ہوا، وہ بالے تھا۔ لیکن اس کے آنے کا انداز بتا رہا تھا کہ وہ اس جگہ سے بہ خوبی واقف ہے۔ مالک اسے پہچاننے کی کوشش کرتا رہ گیا اور وہ اس سے کچھ کہے بغیر بار کے عقبی حصے کے دروازے میں داخل ہوا۔ یہ ایک تقریباً ۳۰ فٹ لمبا اور ۲۰ فٹ چوڑا کمرہ تھا، جس کی چھت نیچی تھی اور اس میں پرانی سی لمبی لمبی میزیں بچھی تھیں، جن کے دونوں طرف تکیے دار بغیر تکیے کے پرانی لوہے کی کرسیاں پڑی ہوئی تھیں۔ سب کرسیاں پُر تھیں اور کمرہ دیسی شراب کی دماغ پھاڑ دینے والی بو سے بسا ہوا تھا۔ میزوں پر بوتلیں اور شیشے کے گلاس بکھرے پڑے تھے اور کہیں کہیں کھا کھر کے پتوں کے دونوں میں چٹ پٹی چیزیں یا بھنا گوشت رکھا تھا۔ بالے نے چاروں طرف نظر دوڑائی اور اسے رانا بالکل آخری میز پر نظر آ گیا۔ وہ ایک خوفناک سی شکل کے آدم سے باتیں کر رہا تھا۔ بالے اس آدمی کو پہچانتا تھا۔

یہ اس علاقے کا ایک خطرناک غنڈہ تھا جو کئی بار جیل کی سزا کاٹ چکا تھا۔ اور ان دنوں سکون کی زندگی گزر رہا تھا۔ اس کا نام داؤد تھا۔ اس کے بالکل پیچھے والی میز پر دو نشستیں خالی ہو گئی دو شرابی اٹھ کر جا رہے تھے۔ اور آمد و رفت کا یہ سلسلہ تو یہاں لگا ہی رہتا تھا۔ بالے ان میں سے ایک پر جا بیٹھا۔ وہ اب بہ آسانی ان کی گفتگو سن سکتا تھا۔ بالے کی طرف کسی نے توجہ نہیں کی اور ویسے بھی وہ لوگ نشے میں مست تھے۔ انھیں دنیا کی خبر نہ تھی۔

''اگر تم اس آدمی کو ختم کر دو تو میں تم کو پانچ ہزار روپے دوں گا۔''

''پانچ ہزار، لیکن دھوکے میں کوئی اور مارا گیا تو؟'' داؤد نے کہا۔

''کیا تم اس آدمی کو بھول گئے ہو جو چند مہینے ہوئے مجھے اس جگہ سے لے گیا تھا؟''

''مجھے ٹھیک سے یاد نہیں۔''

''خیر، میں تصویر تمھیں کسی وقت پہنچوا دوں گا، لیکن تب تک تم پوشیدہ طور پر میری حفاظت کرتے رہو گے۔'' رانا کہہ رہا تھا۔

''کیا یوں ہی پھوکٹ میں؟'' داؤد نے منہ ٹیڑھا کر کے کہا۔

''یہ لو ایک ہزار۔ اور بھی دوں گا۔'' یہ کہہ کر رانا نے جیب سے پرس نکال کر میز کے نیچے ہاتھ کرتے ہوئے اس میں سے سو سو کے دس نوٹ گن کر دیے اور میز کے نیچے سے ہی داؤد نے انھیں وصول بھی کر لیا۔

بالے کو اپنے آپ پر اب غصہ آنے لگا۔ یہ تو کچھ بات نہیں، سوائے اس کے کہ ان دو دائروں نے رانا کو پریشان کر دیا تھا۔ وہ کوئی نامعلوم خوف محسوس کر رہا تھا اور اس قدر تو بالے پہلے بھی اس کی گھبراہٹ سے سمجھ چکا تھا۔ پھر بھی وہ بیٹھا ہی رہا، محض اس خیال سے کہ کچھ اور بات بھی ہو جائے۔

''تم اب گھر جاؤ گے نا؟'' داؤد نے پوچھا۔

''ہاں۔''

''تو بس چلو، میں آیا۔ رات کو میں تمہارے سامنے والے فٹ پاتھ پر پہرہ دوں گا۔''

''لیکن وہ پرانا گھر نہیں، میرا نیا فلیٹ ہے۔''

''ہاں ہاں، معلوم ہے۔ داؤد سب خبر رکھتا ہے۔''

''تو میں جاتا ہوں۔'' یہ کہہ کر وہ اٹھ کھڑا ہوا اور تیز تیز قدم بڑھاتا چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد داؤد نے سنگترے کی آدھی بوتل منگوائی اور بغیر سوڈے کے ہی حلق میں انڈیلنے لگا۔ ابھی تک کوئی بھی نوکر بالے کے پاس نہیں آیا تھا۔ اور شاید اس جگہ کے نوکر گاہکوں کی طرف سے لاپرواہی برتنے کے بھی عادی تھے، لیکن جب ان میں سے میز صاف کرنے آیا تو بالے کی طرف بھی متوجہ ہو گیا۔

''کیا چاہیے، صاحب؟''

''جانی واکر۔''

''جانی واکر پھلم کمپنی میں ملے گا، صاحب۔ اور شراب کا بات کرو۔''

''جانی واکر شراب کا بھی نام ہے، بدخوردار۔'' بالے ہنس کر بولا۔

''تو ہو یگا۔ اپنے یہاں تو ٹھرا اور سنترا چلتا ہے۔''

''تب تو بیکار ہے۔'' بالے یہ کہہ کر اٹھ کھڑا ہوا اور سیدھا باہر نکل گیا، لیکن اسے اس وقت اس بات کا خیال بالکل نہ آیا کہ داؤد رانا کی حفاظت کا وعدہ کر چکا ہے اور بالے خود میک اپ میں ہے۔

اسے زیادہ دور نہیں جانا پڑا، کیونکہ رانا کی کار ابھی تک اپنی جگہ پر موجود تھی اور وہ سڑک کے کنارے ایک پبلک ٹیلی فون بوتھ میں کھڑا نظر آ رہا تھا۔ بالے بھی ٹیلی فون کرنے کے انتظار میں کھڑے رہنے والے کسی اجنبی کے انداز میں بوتھ کے دائیں طرف جا کھڑا ہو گیا۔ بوتھ میں اس طرف جالی نہیں تھی، لیکن اوپر کے حصے میں ہوا داری کے لیے ایک چوکور کھڑکی بنی ہوئی تھی، جس سے وہ اندر کی آواز باہر سن سکتا تھا۔ شاید گھبراہٹ میں ہی رانا سے یہ حماقتیں سرزد ہو رہی تھیں، ورنہ اس سے پہلے وہ اس قدر محتاط ثابت ہوا تھا کہ پولیس کو شاید اس کی بھنک بھی نہیں لگتی تھی۔ وہ فون پر کسی کی آمد کا انتظار کر رہا تھا۔ پھر چند سیکنڈ اس کے بولنے کی آواز آئی۔ وہ کہہ رہا تھا۔ ''باس، صرف ایک بار مجھے موقع دیجیے، دوسرا رنگ واپس لے لیجیے۔''

دوسری طرف سے کیا جواب دیا گیا، یہ سن لینا تو بالے کے لیے ناممکن تھا، لیکن رانا کی لرزتی آواز سے اس نے سمجھ لیا کہ جواب حوصلہ افزا نہیں ہے۔

''میں اس سے محبت کرتا ہوں، باس۔ وہ میری زندگی ہے۔ کیا اسے چھوڑے بغیر میں معاف نہیں کیا جا سکتا؟... نہیں نہیں، میں آپ کو پوری طرح یقین دلاتا ہوں کہ وہ پولیس یا کسی ایجنٹ نہیں ہے.... اوہ نہیں، ایسا ظلم نہ کیجیے، میں ہر طرح سے آپ کا وفادار ہوں۔''

لیکن شاید جواب دینے والے نے لائن کاٹ دی، کیونکہ رانا نے ماؤتھ پیس ہک پر ٹانگ دیا تھا۔ اس کے بعد وہ چہرے سے پسینہ پونچھتا ہوا بوتھ کے باہر نکل آیا اور نڈھال انداز میں اپنی کار کی طرف چلنے لگا۔ بالے نے اس وقت اس کی پروا بھی نہیں کی اور سب سے پہلے

اس نے ٹیلی فون ایکس چینج کو فون کیا۔دوسری طرف کسی لڑکی کی مترنم آواز سنائی دی۔

''یس پلیز۔''

''مس ڈروتھی ہیں کیا؟''

''ڈروتھی،اوہ،ہاں،بلاتی ہوں۔''

اور چند سیکنڈ بعد ہی ڈروتھی فون پر تھی۔

''ہیلو ڈروتھی اسپیکنگ۔''

''پنڈت طوطا رام بلبل داس اسپیکنگ۔''

''اوہ،...ہیلو،سارجنٹ۔ڈیئر،تم بڑے سور ہو۔''اس نے انگریزی میں گالی دی۔

''یہ نظرِ عنایت کیوں؟''بالے نے پوچھا۔

''اس دن پول پر ملنے کا وعدہ کیا اور میں دن ڈوبے تک انتظار کرتی رہی۔''ڈروتھی نے کہا۔

''کسی اور نے کیا ہوگا،میں تو سال میں صرف ایک بار نہاتا ہوں،وہ بھی بالٹی میں بیٹھ کر۔''

''گندے۔''ڈروتھی کی ناز بھری آواز سنائی دی۔''اچھا اس وقت کیوں یاد آئی؟''

''ایک کام ہے۔''

''تم اور بغیر کام کے یاد کرو۔خیر بولو کیا بات ہے؟''

''میں ابھی ایک آدمی کو ۳۲۱۵۶ نمبر پر فون کرنے جا رہا ہوں،کیا تم اس کی آواز ٹیپ میں کیچ کر ریکارڈ کر سکتی ہو؟''

''تمہارا ریکارڈ تو میرے پاس موجود ہے،لیکن یہ غیر قانونی حرکت ہوگی،بغیر محکمے کی اجازت کے۔''

''اوہ...تم اس کی پرواہ نہ کرو،میں ذمے دار ہوں اس کا اور اگر محکمے نے تمہیں نکال

بھی دیا تو میں تم سے شادی کرلوں گا۔" بالے نے ہنستے ہوئے کہا۔

"یو فراڈ، تم شادی؟"

"ڈونٹ پلیز۔" بالے نے لہجے میں سنجیدگی اختیار کرلی۔

اور ڈورتھی نے او کے کہہ کر سلسلہ منقطع کردیا۔ بالے نے فوراً بعد میں ۳۲۱۵۶ کے نمبر ڈائل کرنا شروع کیے۔ اسے یکے بعد دیگر تین بار لائن کاٹ کر یہ نمبر ڈائل کرنے پڑے، تب کسی نے ریسیور اٹھایا۔

"ہیلو۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"باس۔" بالے نے آواز کو مارٹیگو کی طرح بھاری بنا کر کہا۔ "میں مارٹیگو بول رہا ہوں۔"

"مارٹیگو؟" دوسری طرف سے کسی کے چونکنے کی آواز آئی۔ "اس وقت کیوں؟"

"رانا کے بارے میں۔"

"تو کیا تم اتنے بزدل ہو کہ ایک آدمی سے ڈر جاؤ۔"

"میں تو اطلاعاً عرض کر رہا ہوں۔"

"چلو اچھا ہوا جو تم ہی عرض کردیا۔" دوسری طرف سے طنز بھری آواز سنائی دی۔ "بیوقوف آدمی، اب تمہیں میری آواز سننے کے لیے دوسرا فون نمبر تلاش کرنا پڑے گا۔" یہ کہتے ہوئے دوسری طرف سے پہلے کسی کا بھاری قہقہہ سنائی دیا اور پھر سلسلہ منقطع ہوگیا۔ بالے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر پیٹنے لگا۔ اس سے بڑی شاندار حماقت سرزد ہوئی تھی اس وقت۔ وہ سمجھتا تھا شاید وہ کوئی ہدایت دے اور اسے ریکارڈ کیا جاسکے، یا کم از کم وہ اتنی دیر بولے کہ اسی آواز کے کچھ مماثل پہلو ریکارڈ ہوجائیں جن سے اس کی شناخت ہوسکے، لیکن نتیجہ برعکس نکلا۔ وہ تو اور آگاہ ہوگیا تھا۔

بہرحال اس نے اتنی عقلمندی ضرور کی کہ فوراً ہی ڈورتھی کو فون کال کرلیا۔

Akram Allahabadi

''کیا پتھر ریکارڈ کر رہے تھے تم۔'' ڈروتھی اس پر بگڑ پڑی۔

''یہ لڑنے کا وقت نہیں، مائی گریس کیلی۔ مجھے فوراً یہ بتاؤ ۳۲۱۵۶ کس کا ہے، پورا پتا چاہیے۔'' بالے نے کہا۔ ڈروتھی اس کی پرانی دوست تھی اور ڈروتھی کی شکل کیونکہ فلم اسٹار گریس کیلی سے ملتی جلتی تھی وہ اسے اسی نام سے پکارتا تھا۔

''تم تو اس طرح کہہ رہے ہو جیسے یہ ایک منٹ کا کام ہو۔''

''کوشش تو کرو، تم اسے جلد از جلد بھی کر سکتی ہو۔''

ڈروتھی چلی گئی اور ایک منٹ بعد ہی لوٹ آئی۔ وہ ٹیلی فون نمبروں کے مطابق اعداد و سلسلے میں اس نمبر کا پتا نوٹ کرا لائی تھی۔ ''وگمبر روڈ پوسٹ آفس پبلک ٹیلی فون۔'' ڈروتھی نے اسے بتایا۔

''اچھا، تھینک یو ویری مچ۔'' یہ کہتے ہوئے بالے نے لائن کٹ کی اور بوتھ سے نکل کر سڑک پر جاتی ہوئی ٹیکسی کو آواز دینے لگا۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

پراسرار فقیر

دگمبر روڈ پوسٹ آفس پہنچنے میں اسے بمشکل پندرہ منٹ لگے، لیکن سڑک سونی پڑی تھی۔ اکا دکا راہ گیر نظر بھی آئے۔ پوسٹ آفس کے آس پاس آبادی نہ تھی، صرف لوہے کے گودام تھے۔ البتہ پوسٹ آفس کے سامنے ایک بوڑھے گل فروش کی دکان کھلی ہوئی تھی۔

علاقائی پوسٹ آفس ۶ بجے بند ہو جاتے تھے اور اس پوسٹ آفس کا پبلک کال بوتھ باہر ہی بنا ہوا تھا۔ کفایت شعاری کے نقطہ نظر سے اس فون کو دن میں پوسٹ آفس کے لیے بھی استعمال کیا جاتا تھا، اس لیے اس کا نمبر بھی، لیکن اسے پوسٹ آفس کے آس پاس کوئی نظر نہیں آیا۔ صرف باہر لگے ہوئے سرکاری لیمپ کی مدھم روشنی میں عمارت کی سیڑھیاں چمک رہی تھیں۔

بالے نے ٹیکسی والے کو گاڑی آگے لے جا کر کھڑی کرنے کی ہدایت کر کے جب بوتھ کے قریب دیکھا تو اس پر ۳۲۱۵۶ کے نمبر پینٹ کیے ہوئے تھے۔ پھر اس نے پوسٹ آفس کا عقبی حصہ بھی دیکھا، لیکن وہاں کوئی نہ تھا۔ مجبوراً اسے بوڑھے گلفروش کے پاس جانا پڑا۔ بوڑھا اسے گاہک سمجھ کر امید بھری نظروں سے دیکھنے لگا، لیکن کچھ کہنے سے پہلے بالے نے اس کے ہاتھ پر ایک روپیہ رکھ دیا۔

''کیا چاہیے، صاحب؟''

''اور کچھ نہیں، جو پوچھوں اس کا سوچ کر جواب دو، اور پیسے ملیں گے۔''

''پوچھیے۔'' بوڑھے نے للچائی ہوئی نظروں سے نوٹ کو گھور کر کہا۔

''اس پوسٹ آفس پر کیا شام سے ساڑھے آٹھ بجے تک کوئی آتا جاتا رہتا ہے؟''

''نہیں، صاحب۔ ۶ بجے تو ڈاکخانہ بند ہو جاتا ہے۔'' بوڑھا سوچنے کے بعد بولا۔

''ٹھیک سے یاد کرو۔''

''نہیں، صاحب۔ میں تو روز ہی دیکھتا ہوں۔صرف ایک بیچارہ فقیر کبھی کبھی ڈاکخانے کی سیڑھیوں کے آس پاس آ کر بیٹھ یا لیٹ جاتا ہے۔بہت سیدھا آدمی ہے۔کسی سے مانگتا نہیں جو دیدے لے لیتا ہے۔'' گل فروش نے بتایا۔

''فقیر؟'' بالے چونکا۔''کس وقت آتا ہے وہ؟''

''شام کو ہی آتا ہے، ڈاکخانہ بند ہونے کے بعد۔کھلے رہنے پر آئے تو کون وہاں بیٹھنے لیٹنے دے بیچارے کو۔'' گل فروش نے اس نامعلوم فقیر سے ہمدردی کا اظہار کیا۔''پھر رات کو کب چلا جاتا ہے، یہ میں نے غور نہیں کیا۔''

''وہ کب سے یہاں آتا ہے؟''

''شاید مہینوں سے، مجھے ٹھیک سے یاد نہیں ہے۔''

''کیا آج نہیں دیکھا تم نے اسے؟''

''کیوں آپ نے نہیں دیکھا۔ابھی کچھ دیر پہلے تو تھا وہیں سیڑھیوں پر لیٹا تھا۔'' گل فروش نے بتایا۔

''خیر ہوگا۔مجھے بھی ایک پہنچے ہوئے فقیر کی تلاش ہے۔'' یہ کہتے ہوئے بالے نے اس کے ہاتھ پر ایک نوٹ اور رکھ دیا اور واپس لوٹنے لگا۔

''صاحب، وہ بھی پہنچا ہوا معلوم ہوتا ہے کیونکہ ایک دن میں نے دیکھا تھا کہ آدھی رات کو کوئی رئیس زادہ اپنی کار پر اس کے پاس آیا تھا۔دعا وعا لینے آیا ہوگا۔''

''آدھی رات تک رہتا ہے وہ؟''

''نہیں، صاحب۔اول وقت کہیں چلا جاتا ہے، پھر رات گئے لوٹ بھی آتا ہے اور کبھی نہیں لوٹتا۔''

''خیر ہوگا، چھوڑو۔ویسے اس کا حلیہ کیا ہے؟''

"چھریتری ہوئی بڑی داڑھی اور سر کے بال کالے اور الجھے ہوئے۔ایک نیچی گدڑی پہنے رہتا ہے۔رنگ نہ گورا ہے نہ کالا اور قد بھی لمبا ہے۔" گل فروش نے بتایا۔

بالے نے اس سے کچھ اور پوچھنا ضروری نہ سمجھا۔وہ فقیر یقیناً کہیں جا چکا تھا اور بالے کا دل کہہ رہا تھا کہ وہی وہ پراسرار باس رہا ہوگا، جو اس بوتھ کی تین گھنٹیاں سن کر بوتھ تک پہنچ جاتا ہوگا، مگر اب تو وہ خود ہی کہہ چکا تھا کہ دوسرا نمبر تلاش کرنا پڑے گا۔ان اندازوں کے ساتھ بالے کے ذہن میں یہ خیال بھی پیدا ہوگیا کہ ممکن ہے اسے یہ شک ہوا ہو کہ بالے کو اس کے دوسرے دو نمبر بھی معلوم ہوں گے۔یہ سوچ کر گویا اس کے لیے اندھیرے میں امید کی ایک کرن پیدا ہوگئی۔وہ پھر ٹیکسی تھام کر خاں کی طرف دوڑ پڑا۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

قانون کی پناہ میں

ایشور لال اپنے سخت چہرے اور بھاری تن وتوش کے ساتھ خان کے سامنے موجود تھا۔اس کے چہرے پر کسی قسم کے آثار نہ تھے۔وہ پوری طرح مطمئن نظر آرہا تھا۔

''میں پوچھتا ہوں وہ مال کہاں گیا؟''خان نے تیسری بار اس سے سوال کیا۔

''آپ کو یقین دلانے کے لیے آخر میں کونسے الفاظ ڈھونڈوں کہ میں آپ کے سوال کا مطلب ہی نہیں سمجھ رہا۔مجھے کسی کے مال کے بارے میں علم نہیں ہے۔''

''کیا تم اسٹینڈرڈ گلاس فیکٹری کے پارٹنر نہیں ہو؟''

جی ہاں،ہوں۔''

''تو پھر آج اس کا جو خام شیشے کا مال آیا ہے،وہ کہاں ہے؟''

''مجھے کچھ علم نہیں،کیونکہ میں پارٹنر برائے نام ہوں۔فیکٹری کا سارا معاملہ میرے پارٹنر شوکت صاحب کے سپرد ہے۔''

''خوب۔تم ایک گدھے کو میری نظر میں لومڑی بنانا چاہتے ہو۔''

''میں نے عرض کیا نا کہ وہی کرتے ہیں سب کچھ۔آپ ایکسائز والوں سے معلوم کر لیجیے۔''

''میں معلوم کر چکا ہوں اور پھر بھی تم سے پوچھ رہا ہوں۔''

''تو پھر میں کیا عرض کر سکتا ہوں۔''

''شوکت کو گرفتار کیا جا چکا ہے اور اس کا بیان ہے کہ اسے اس کارخانے کے کسی کام سے واسطہ نہیں۔وہ صرف پیسے لگانے کا پارٹنر ہے۔''

''وہ جو چاہیں کہہ سکتے ہیں،مگر آپ ایکسائز والوں سے ہی معلوم کیجیے کہ انڈنٹ

Akram Allahabadi

وغیرہ کس کے نام سے کیے گئے ہیں، کون وصول کرتا ہے۔"

"کس کے نام سے لیے گئے ہیں؟" خان نے اچانک سوال کر ڈالا۔

"یعنی... یعنی کہ شوکت صاحب کے نام سے ہی لیے گئے ہوں گے، اور کون ہو سکتا ہے۔"

"اور اگر یہ ثابت ہو گیا کہ اس میں تمہارا بھی ہاتھ تھا تو مجھ سے برا کوئی نہ ہو گا۔"

"آپ فضول ایک باعزت شہری کو اس قسم کی دھمکیاں دے رہے ہیں۔ میں محکمہ داخلہ سے آپ کی شکایت کروں گا۔" ایشور لال الٹا اسی کو دھمکی دینے لگا۔

"خوب۔ تم یہ بھی کر دیکھو۔ میری وارننگ اپنی جگہ ہے۔"

"لیکن آپ فضول..."

"شٹ اپ۔" خان نے اسے گھورتے ہوئے بات کاٹ دی۔ "تم اب جا سکتے ہو۔"

ایشور لال اٹھا اور منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑاتا ہوا باہر نکل گیا۔ اس کے جاتے ہی خان نے گھنٹی بجائی، رؤف فوراً اندر آ پہنچا۔

"اس کا پیچھا کرواو اس کی نقل و حرکت پر کڑی نگرانی رکھو۔" خان نے حکم دیا۔

"بہتر ہے۔" رؤف یہ کہہ کر اسی وقت باہر نکل گیا۔ خان بھی اٹھنا چاہتا تھا کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ خان نے رسیور اٹھا لیا۔ دوسری طرف بالے بول رہا تھا۔

"میں ان کے باس کے تین ٹیلی فون نمبر حاصل کر لیے ہیں۔" یہ کہتے ہوئے بالے نے پورا واقعہ فون پر دہرا دیا اور تینوں نمبر بھی بتا دیے۔

"تم نے اسے فون کر کے پرلے سرے کے گدھے پن کا ثبوت دیا ہے۔"

"پرلے سرے پر کونسا گدھا رہتا ہے؟"

"صرف کام کی بات، میں بہت مصروف ہوں۔"

''کیا میں مارٹیگو پر ہاتھ ڈالدوں؟''

''بیٹے، مارٹیگو پر تو میں پہلے ہی دن ہاتھ ڈال سکتا تھا، لیکن وہ تو محض اس ریکٹ کا ایک رکن ہے۔ اس کی گرفتاری سے تو اور کام بگڑ جائے گا۔ ہمیں ابھی اس ریکٹ کی بنیاد تک پہنچنا ہے۔''

''تا کہ آپ میخ وبنیاد... آئی ایم ساری، بیخ وبنیاد سے اکھاڑ پھینکیں۔''

''تم اب فوراً اپنی جگہ واپس چلے جاؤ، ورنہ وہ لوگ تمہاری طرف سے بھی چوکنے ہو جائیں گے۔'' خان نے ہدایت کی۔

''اور رانا کا کیا ہوگا؟'' بالے نے پوچھا۔

''وہ وہی شخص ہے جس کے دیکھتے دیکھتے لکھ پتی بن جانے سے مجھے شبہ ہوا تھا۔ وہ اسی دن سے میری نظر میں ہے۔'' خان نے بتایا۔

''اور وہ دونوں فون نمبر؟''

''وہ میں دیکھ لیتا ہوں، لیکن اب امید چالیس فیصدی بھی نہیں رہ گئی ہے۔''

بالے نے فون منقطع کر دیا۔ اور خان ٹیلی فون نمبروں کو اپنی نوٹ بک میں لکھ کر اٹھ کھڑا ہوا۔ آفس سے باہر آ کر ابھی وہ سیڑھیاں اتر ہی رہا تھا کہ دوڑتے ہوئے سیڑھیوں پر آتے آدمی کو دیکھ کر رک گیا۔ وہ سوائے رانا کے اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا۔ خان کو دیکھتے ہی اس نے دوڑ کر خان کے پیر پکڑ لیے۔

''بچایئے۔ خدا کے لیے مجھے بچایئے۔ وہ مجھے مار ڈالیں گے۔ میں جیل جانے کو تیار ہوں، لیکن مرنے کے لیے نہیں۔''

''گھبراؤ نہیں، میرے ساتھ آؤ۔'' خان پھر لوٹ پڑا۔

اپنے آفس میں آ کر اس نے اسے کرسی پر بیٹھنے کی پیش کش کی۔

''آپ دروازے بند کر دیجیے، تب میں بتاؤں گا۔'' وہ خوفزدہ نظروں سے دروازے کی

طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

''یہاں اس قدر خوف کی ضرورت نہیں۔تم اس وقت پولیس ہیڈ کوارٹرز میں ہو۔''

خان نے نرمی سے دلاسا دیا۔اور وہ اپنا خوفزدہ چہرہ لیے کرسی پر بیٹھ گیا۔

''میری پیٹھ دیکھیے، کیا وہاں تین رنگ بنے ہیں؟'' وہ اپنی پیٹھ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔

''کوٹ اتار لو، یہاں کوئی حرج نہیں۔''خان نے اسے مشورہ دیا۔

اس نے کوٹ اتار لیا، لیکن اس پر ابھی تک دوی دائرے بنے ہوئے تھے، جنہیں دیکھ کر اس کی گھبراہٹ کم ہوئی۔

''میں سب کچھ... سب کچھ بتادوں گا، اگر آپ میری جان کی حفاظت کا وعدہ کریں۔میں نے اپنی حفاظت کے لیے جو آدمی رکھا تھا، انھوں نے اسے بھی مار ڈالا ہے۔''

''اطمینان سے بیٹھ کر مجھے تفصیلاً بتاؤ۔سگریٹ؟''خان نے اسے اور پرسکون اور روبہ اعتدال کرنے کے لیے سگریٹ پیش کی اور وہ اس میں سے ایک اٹھا کر جلانے لگا۔پھر اس نے خود ہی اسے بتانا شروع کر دیا کہ اس کا نام رانا ہے اور اب سے دو مہینے قبل وہ ایک معمولی قسم کا شراب نوش آدمی تھا۔اس کی سوسائٹی ایسے آدمیوں کی نہیں تھی۔ایک دن جب وہ شراب خانے میں شراب پی کر بل نہ چکا سکنے کی وجہ سے شراب خانے کے منیجر کے ہاتھوں ذلیل ہو رہا تھا، ایک اجنبی نے اس کی مدد کی اور پھر وہی اجنبی اسے ساتھ لے گیا اور اس نے اسے ایک عورت مس پارکر کا پتا دیتا یا۔مس پارکر نے اس کا ہاتھ دیکھ کر پیش گوئی کی کہ وہ بہت جلد لکھ پتی بننے والا ہے۔یہ دولت اس کے پاس اچانک آئے گی اور واقعی یہ دولت ایک دن اس کے پاس اچانک آ گئی۔وہ جہاں رہتا تھا، اسی محلے کی گلی کے موڑ پر وہ ایک رات کھڑا ہوا تھا کہ اچانک ایک کار اس کے پاس سے ہی گزری اور اس میں سے ایک تھیلا اس کی طرف پھینکا گیا۔کار تو نکل گئی، لیکن جب اس نے وہ تھیلا کھولا تو اس میں کوئی سنہری چیز چمک رہی تھی۔اسے لالچ

آ گئی اور وہ اسے لے کر سب کی نظروں سے چھپتا چھپا تا گھر پہنچ گیا۔اور جب اس نے اس تھیلے کو کھول کر دیکھا تو اس میں سونے کی چھوٹی چھوٹی اینٹیں بھری ہوئی تھیں۔وہ حیران تھا کہ یہ کیا معاملہ ہے اور اس سونے کا وہ کیا کرے۔لیکن اس رات کو آدھی رات کے بعد کسی نے اس کے دروازے پر دستک دی اور دروازہ کھولے جانے کے بعد وہ اندر آ پہنچا۔

رانا نے بتایا کہ وہ آدمی جیسا کہ بعد میں اسے معلوم ہوا کہ مارٹیگو تھا۔مارٹیگو نے اس سے پوچھا کہ سونا کہاں ہے۔اور اس نے ڈر کے مارے بتا دیا۔جس پر مارٹیگو نے سونا اپنے قبضے میں لے کر ایک ہزار روپے دیے اور ساتھ ہی ایک کاغذ پر لکھا ہوا ایک پتا تھا۔

اور اسی پتے پر دوسرے دن وہ مارٹیگو سے ملا۔تیل کے گودام والا پتا تھا،جس پر بالے کو بھیجا گیا تھا۔بہر حال یہاں مارٹیگو نے اسے وہی کام دیے جو بالے کو دیے گئے تھے۔ اسے کندن لال نامی ایک آدمی کی پیٹھ پر ایک دائرہ بنانے کا حکم دیا گیا۔اس کے بعد اسے ایک رات کو بارہ بجے ایکسائز پوسٹ سے ایک فرلانگ کے فاصلے پر ایک کروڈ آئل کا ٹینکر ٹرک لے کر کھڑا کر دیا گیا اور ہدایت کر دی گئی کہ جیسے ہی اس جیسا ایک ٹینکر ٹرک ایکسائز پوسٹ کی طرف سے دوڑتا آئے وہ اس کے قریب آتے ہی اپنا ٹرک اسٹارٹ کر کے برق رفتاری سے شہر کی طرف بھگانے لگے۔اور اگر راستے میں کہیں اسے روک لیا جائے اور کوئی ٹرک میں جوتے ہوئے کروڈ آئل کے ٹینک کی تلاشی بھی لے تو لینے دے۔پوچھنے پر صرف اتنا بتائے کہ مارٹیگو والی کروڈ آئل کمپنی کی ملکیت ہے اور وہ اس کا ڈرائیور ہے۔چنانچہ رانا کی ہدایت پر کام کیا اور اس پر اسے دو پزار روپے انعام دیے گئے۔اس کے بعد اسے ایک پرائیوٹ تربیت گاہ میں ہیلی کاپٹر کی پرواز سکھائی گئی اور تب سے وہ سرحد سے سونے کے بیگ ہیلی کاپٹر پر رات کی تاریکی میں بالا ہی بالا اڑا کر شہر تک لاتا تھا۔اس کام کے لیے اسے مختلف اور بڑی رقمیں ملتی رہتی تھیں۔ بعد میں اسے شہر کے مغربی سرے پر ایک پانچ منزلہ عمارت کی سب سے اوپری منزل کا ایک فلیٹ دلا دیا گیا،جس کی چھت پر وہ شب کے سناٹے میں ہیلی کاپٹر اتارا کرتا تھا،لیکن یہ اہم کام

اسے اس وقت سونپے گئے تھے جب پہلے اور دوسرے معاملے میں اور دوسرے طریقوں سے بھی اس کا امتحان لے کر اس سے ایک اقرار نامہ لکھوالیا گیا تھا، جس میں اسے اقبال کرنا پڑا تھا کہ وہ ایک سونے کا اسمگلر ہے اور اس بزنس پر پارٹیوں سے دوطرفہ پانچ پانچ فیصدی کمیشن لیتا ہے۔ بعد میں اسے یہ بھی بتادیا گیا گیا کہ ریکٹ سے غداری کرنے والے یا غداری کی نیت رکھنے والے کو بدترین سزائیں دی جاتی ہیں۔ اسے پہلی بار وارننگ دی جاتی ہے، دوسری بار اس سے اس کا سب کچھ چھین کر بھکاری بنادیا جاتا ہے اور اگر وہ دو تین مہینے تک بھکاری بنا پھرتا رہے اور اف تک نہ کرے تو ریکٹ اسے معاف کردیتا ہے، ورنہ اس درمیان میں کوئی غلط اقدام اسے تیسری سزا یعنی موت کا مستحق قرار دلادیتا ہے اور اس کی موت کو کوئی نہیں روک سکتا۔ خان نے جب اس سے پوچھا کہ کیا ان سزاؤں کی علامتیں وہ تین دائرے ہی ہیں جو یکے بعد دیگر معتوب رکن کی پشت پر نمودار ہوتے ہیں۔ تو رانا نے اثبات میں سر ہلادیا۔ اس نے یہ بھی بتایا کہ باس کو آج تک کسی نے نہیں دیکھا۔ وہ صرف مس پارکر کو رتن چند کو اور مارٹیگو کو ہی جانتا ہے۔ تمام آرڈر کہاں سے آتے ہیں، یہ کوئی نہیں جانتا، لیکن امتحانات سے گزر جانے والے آدمی کو جب وہ باقاعدہ رکن تسلیم کیا جاتا ہے، پیتل کے تین آر کا ایک بیج ملتا ہے، جو وہ اپنے کالر میں اندر کی سمت لگائے رہتا ہے۔ رانا صرف یہ بتا سکا کہ ریکٹ کے باس کا نام سنا ہے جیکب ہے، لیکن اس سے زیادہ اسے کچھ معلوم نہیں۔

خان اس کا بیان سننے کے بعد کچھ دیر سوچتا رہا، پھر اس نے انٹر کمیونیکیشن والا فون اٹھا کر انسپکٹر ڈیسوزا کو کال کیا۔ ڈیسوزا پانچ منٹ میں ہی آپہنچا اور خان کی ہدایت اس کے اور رانا دونوں کے لیے تعجب کی خبر تھی۔

"انھیں اندر والے لاک اپ میں ڈال دیجیے۔ ان کے کپڑے اتروا کر انھیں کوئی دوسرا کپڑا پہنوا دیجیے۔ ان کا لباس یہاں بھیج دیا جائے۔"

بہر حال سوال کرنے کی جرأت ڈیسوزا کی بھی نہیں ہوئی۔ البتہ رانا پھر خوف زدہ

ہو کر گڑگڑانے لگا۔

"مجھے ڈر ہے کہ وہ مجھے کہیں نہیں چھوڑے گا۔آپ مجھے خفیہ طور سے شہر سے باہر کی کسی جیل میں بھیج دیجیے۔"

"اس کے باپ کی بھی ہمت نہیں جو ہمارے لاک اپ میں تمہارا کچھ بگاڑ سکے۔" خان نے اسے یقین دلایا۔اور ڈیسوزا کو ساتھ لے کر چلا گیا۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

بھکارن بن گئی

اس وقت رانا کے لباس میں خان تھا۔اس نے اپنا چہرہ ماتھے پر جھک آنے والے ہیٹ سے چھپا رکھا تھا۔وہ اس وقت رانا کے فلیٹ میں داخل ہو رہا تھا۔اس کے بدن پر وہی کوٹ تھا جس کی پشت پر دو دائرے بنے ہوئے تھے۔لیکن اس کا اندازہ صحیح نکلا۔دو دائروں کا جو بھی حکم ہوا کرتا تھا،اس کی تعمیل شروع ہو چکی تھی۔رانا کا کوئی رشتے دار یہاں اس کے ساتھ نہیں رہتا تھا اور نہ ہی وہ شادی شدہ تھا۔البتہ دو نوکر ضرور تھے،لیکن اس وقت تو فلیٹ بند ہی تھا، جسے اس نے رانا کے پرس سے ملنے والی چابی سے کھولا تھا۔اس کا مطلب یہ تھا رانا کے علاوہ بھی کسی کے پاس اس کی چابی ضرور رہی ہوگی،یا ممکن ہے ان نوکروں سے کوئی اس ریکٹ کا آدمی رہا ہو۔بہرحال اس کے سامان والے کمرے کی ہر چیز بے ترتیبی سے پڑی تھی،جس سے ظاہر ہو رہا تھا کہ کچھ دیر پہلے ہی اس کی تمام چیزوں کی تلاشی لی جا چکی ہے۔خان پلٹنا ہی چاہتا تھا کہ کسی کے قدموں کی آہٹ سن کر وہیں رہ گیا۔دروازے کی طرف اس کی پشت تھی اور اس نے جیب میں ہاتھ ریوالور پر رکھ لیا تھا۔اندر داخل ہونے والا مارٹیگو تھا۔خان اس کی طرف پشت کیے ہی کھڑا رہا۔رانا سے دوران گفتگو میں وہ اسکے لب و لہجے کا اندازہ لگا چکا تھا اور اس وقت اس نے اس جیسی آواز بنا کر پلٹے بغیر کہا۔

''اب کیا تیسرا دائرہ بنانے آئے ہو؟''

''اگر تم دوسرے دائرے کے حکم پر بھی نیک چلن نہ رہ سکے تو۔''اسے مارٹیگو کی آواز سنائی دی۔

خان کو اس کی نیک چلنی کے مطالبے پر بے اختیار ہنسی آ گئی،لیکن وہ اسی طرح کھڑا رہا۔

''صبح تمہارا سب سامان اور فلیٹ نیلام کر دیا جائے گا۔تم خود یہ نیلام کرو گے اور تمہیں اس آدمی کے نام پر بولی ختم کرنا پڑے گی جس کے کالر میں تھری آر کا نشان ہوگا۔''

''اور میرے نوکر؟'' خان نے آواز میں تھراہٹ پیدا کر لی۔

''کچھ دیر پہلے ان کا حساب کر کے انھیں رخصت کیا جا چکا ہے۔''

''یہ بہت بڑا ظلم ہے مجھ پر۔'' خان کا گلا جیسے کہتے ہوئے روندھنے لگا ہو۔

''فلیٹ کے نیلام کے بعد تم بھکاری بن جاؤ گے اور اگر تین مہینے کی یہ سزا تم نے ایمان داری سے کاٹ لی تو شاید تم اپنا کھویا ہوا سب کچھ واپس پا سکو۔''

''یہ تمہارا حکم ہے یا...؟''

''گدھے، تمہیں معلوم ہے کہ باس تمہیں کبھی ڈائرکٹ حکم نہیں دیتا۔تم نے اسے فون کر کے اپنا کیس اور خراب کر لیا ہے۔''

''کیا کسی سے محبت کرنا گناہ ہے؟''

''بکو مت، یہ ریکٹ عاشقوں کی انجمن نہیں ہے۔اور پھر اس لڑکی کا کیرکٹر مشکوک ہے۔''

''تمہاری نظروں میں۔''

''تم میری طرف دیکھ کر کیوں گفتگو نہیں کر رہے؟'' مارٹیگو نے کسی خیال سے چونکتے ہوئے اس سے کہا۔

''دیکھنا چاہتے ہو۔اچھا لو۔'' یہ کہہ کر خان جب پلٹا تو اس کے ہاتھ میں ریوالور تھا۔

مارٹیگو تو اسے دیکھتے ہی بوکھلا گیا۔اس کے ہاتھ آپ سے آپ اوپر اٹھ گئے۔

''تو تم ہو۔میں تمہیں جانتا ہوں۔تم یہاں کسی خفیہ پولیس کے چیف ہو، مگر ہمارے امدادِ باہمی کے ان نیک کاموں میں دخل دے کر تم ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔'' وہ پیچھے ہٹتے

ہوئے بولا۔

''امداد باہمی کے نیک کام۔'' خان نے طنزیہ لہجے میں دہرایا۔ ''تھری آرگولڈ کیس والے ڈرائیور اور کندن لال کا خون اور کچے شیشے۔ کروڈ آئل اور ہیلی کاپٹر سے لائے جانے والے نا جائز سونے کے بیوپار جیسے نیک کاموں میں کوئی بگاڑ سکتا ہے تمہارا۔''

''مجھے نہیں معلوم تم کیا کہہ رہے ہو۔ ہم لوگ تو بیوپار بڑھانے کے لیے ایک دوسرے کو امدادی رقمیں قرض دیتے ہیں۔'' مارٹیگو نے بھولے پن سے کہا۔

''بہت اچھے، تو پھر مجھے بھی دے ڈالو کچھ قرض۔''

''قرض؟'' مارٹیگو چونکا۔ ''ہم سے بات کی جا سکتی ہے، مگر پہلے تم ریوالور جیب میں رکھو۔''

خان نے ریوالور جیب میں ڈال لیا اور کرسی پر پیر رکھ کر مسکرانے لگا۔ مارٹیگو اب خود بھی مسکرا دیا اور بڑھ کر قریب آ گیا۔

''کتنا چاہیے؟'' اس نے پوچھا۔

''یہی دو لاکھ۔''

''ہو سکتا ہے، لیکن تمہیں ہمارے معاملوں میں ہر قسم کی مداخلت سے دستبردار ہونا پڑے گا۔''

''ہاں ہاں، کیوں نہیں۔'' یہ کہتے ہوئے اچانک خان نے مارٹیگو کا ایک ہاتھ تھام کر اس تیزی سے موڑا کہ مارٹیگو کی پشت اس کی طرف ہو گئی اور اس نے دروازے کی طرف سے لگائے جانے والے نشانے کے لیے مارٹیگو کو ڈھال بنا لیا۔ اس کی نظر پہلے ہی اس پستول کی نال پر پڑ گئی تھی جو دروازے کی دراز سے جھانک رہا تھی۔

''دروازے پر موجود آدمی کو حکم دو کہ پستول زمین پر ڈال دے، ورنہ میں تمہارے پھیپھڑوں میں سوراخ کر دوں گا۔'' خان نے ریوالور کی نال اس کی پیٹھ سے لگاتے ہوئے کہا۔

Akram Allahabadi

اور مجبوراً اسے حکم دینا ہی پڑا۔لیکن پستول زمین پر ڈالنے کی بجائے پستول والا پیچھے ہٹ گیا۔ امتحانا خان نے دروازے تک پہنچ کر پہلے مارٹیگو کو ہی جھٹکے سے باہر ڈھکیلا، لیکن اس سے قبل کہ مارٹیگو چیخے، فائرنگ کی ایک آواز بلڈنگ میں گونج چکی تھی اور مارٹیگو فرش پر تڑپ رہا تھا۔خان اسے چھوڑ کر تیزی سے اس سائے کی طرف دوڑا جو اس وقت سیڑھیاں اتر رہا تھا۔اس نے اس پر فائر بھی کیا، لیکن بھاگنے والے کے پیروں میں جیسے کوئی برقی قوت تھی۔وہ پلک جھپکنے میں زینے سے غائب ہوگیا اور خان جب نیچے پہنچا تو اندھیرے کا سناٹا گہرا ہو چکا تھا۔تلاش کے باوجود اس کا کوئی پتا نہیں چلا۔

☆☆☆☆☆☆

بالے اپنی دھن میں کھویا ہوا ایڈمانسٹن روڈ سے گزر رہا تھا کہ اچانک کسی نے اس کے گلے میں پشت سے باہیں ڈال دیں۔وہ چونک کر پلٹا اور اسے دیکھ کر حیران رہ گیا۔وہ لباس سے کوئی بھکارن ہی معلوم ہو رہی تھی، مگر وہ مس پارکر تھی۔اس کا چہرہ میلا میلا ضرور نظر آ رہا تھا، لیکن نقوش تو نہیں بدلے جا سکتے تھے۔

''تم...؟یہ کیا حلیہ بنا رکھا ہے تم نے؟''بالے نے حیرت سے پوچھا۔

''دو دائرے۔''

''لعنت ہے۔ایسی بھی کیا بزدلی۔''

''میں خوشی سے یہ سزا بھگت رہی ہوں۔کیونکہ انکار کی صورت میں میرے ساتھ تمہاری جان بھی خطرے میں ہوگی۔''

''آخر میری جان کی اتنی فکر کیوں پڑی ہے تمہیں؟''بالے نے نرمی سے سوال کیا۔

''میں نہیں جانتی کیوں، اپنے دل سے پوچھ لو۔''

''مگر میں تمہیں اس عالم میں نہیں دیکھنا چاہتا۔میں اس سے بغاوت کر دونگا۔''

Akram Allahabadi

''نہیں، خدا کے لیے ایسا نہ کرنا، ورنہ تم ہمیشہ کے لیے مجھ سے چھین لیے جاؤ گے۔ میں یہ تین مہینے کسی طرح کاٹ لونگی۔''

''کیا جاننے والے تمہیں اس عالم میں دیکھ کر حیرت نہ کرتے ہوں گے؟''

''سب ہی سمجھتے ہیں کہ پامسٹری کرتے کرتے میرا دماغ خراب ہوگیا ہے۔''

''تمہیں یہ حکم مارٹیگو نے دیا تھا؟''

''وہ گدھے کا بچہ کیا حکم دے گا۔ اس حکم کے احکامات باس کی طرف سے آتے ہیں۔ کسی اور کو براہِ راست اور کسی کو ان دائروں کے ذریعے۔ اور مارٹیگو صرف دائروں والے احکامات پر عمل کراتا ہے۔''

''تمہیں کس طرح ملا یہ حکم؟''

''میری پیٹھ پر تمہیں دو دائرے نظر نہیں آتے؟''

''تو تمہیں تیسرا کا خطرہ ہے؟''

''سر دست نہیں۔ مجھے تین ماہ تک اس حکم کا پابند رہنے کی صورت میں تیسرے حکم کا خطرہ نہیں، لیکن اگر تم جوش یا غصے میں کچھ کر بیٹھے تو نہیں کہا جا سکتا کہ اب میری موت کا بھی حکم آجائے۔''

''بڑی عجیب بات ہے یہ۔ ذرا سی غلطی کی اتنی بڑی سزا۔''

''جو کچھ بھی سہی، اسے بھگتنا ہی پڑے گا۔ مگر تم وعدہ کرو کہ یہیں اسی جگہ مجھ سے ملتے رہا کروگے۔''

''اچھا۔'' بالے نے کہا۔

''اوہ، تم کتنے اچھے ہو، ڈیئر۔'' یہ کہہ کر اس نے بالے کا منہ بے اختیار چوم لیا۔ اور بالے گھبرا گیا۔

''ارے یہ سڑک ہے۔'' اس نے چھڑانے کے لیے کہا۔

Akram Allahabadi

''محبت ہر قید و بند سے آزاد ہے۔''

مگر اس سے پہلے کہ بالے کوئی جواب دیتا، ایک سیاہ رنگ کی کار پیچھے سے آ کر ان کے پاس رک گئی۔ بالے نے دیکھا ان میں سے اترنے والا وہی سانولے رنگ کا آدمی تھا۔

مس پارکر کو دیکھے بغیر وہ سیدھا بالے سے مخاطب ہوا۔

''میرے ساتھ آؤ۔'' اس کا لہجہ تحکمانہ تھا۔ بالے مس پارکر کو دیکھے بغیر اس کے پیچھے ہولیا۔ وہ آدمی کچھ بولا نہیں۔ بالے کار میں اس کے پاس والی نشست پر بیٹھ گیا اور کار اسٹارٹ ہو گئی۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

شمع فروش

خان کو بالے کے دیے ہوئے ٹیلی فون کے پتے نکالنے میں کوئی دقت نہیں پیش آئی۔اس کے پاس سلسلے وار ٹیلی فون نمبروں کی فہرست موجود تھی جس میں ہر نمبر کے ساتھ اس کا پتا لکھا ہوا تھا۔اس پراسرار ریکٹ کے نامعلوم باس کے بقیہ دو فون نمبروں میں سے ساڑھے آٹھ سے ساڑھے دس بجے تک والے نمبر ۴۲۰۰۱ کا پتا بھی عجیب تھا۔اس سے اس نامعلوم شخص کے انتہائی چالاک دماغ کا اندازہ ہوتا تھا۔یہ فون نمبر کیتھیڈرل چرچ سروس کے عوامی استعمال والے فون کا تھا اور چرچ کے احاطے میں ایک چھوٹی سی چوکی میں نصب تھا۔کہ چرچ میں رات کے آٹھ بجے کے بعد سناٹا چھا جاتا ہے اور پادری اور چرچ کا عملہ سب سے اوپری منزل میں چلے جاتے ہیں۔ظاہر ہے کہ اس وقت کمپاؤنڈ بالکل سونا اور تاریک سا رہتا ہوگا اور ایسے موقع سے اس فون کا فائدہ اٹھانا واقعی سوجھ بوجھ کی بات تھی۔بہرحال خان جب چرچ کے قریب پہنچا تو دس بج کر کچھ منٹ ہو چکے تھے۔اس نے کار پر بیٹھے بیٹھے ہی چرچ کے کمپاؤنڈ میں جھانک کر دیکھا، وہاں سناٹا تھا۔کار اس نے اس انداز سے دھیمی کر دی تھی جیسے مڑ رہا ہوں اور پھر اس نے کار کمپاؤنڈ کے کارنر پر موڑ ہی دی۔اسے اس طرح بھی کوئی مقامی آدمی نظر نہیں آیا۔کچھ لوگ راستے پر البتہ چل رہے تھے۔آخر اسے ایک خوانچے والے سے معلوم ہوا کہ روز یہاں آٹھ بجے سے دس بجے تک ایک ادھیڑ عمر آدمی گرجا میں جانے والے کے لیے موم بتیاں بیچا کرتا ہے اور جو لوگ سروس کے بعد گرجا میں عبادت کے لیے تنہائی میں جاتے ہیں، ان کے ہاتھوں مہنگے داموں میں شمعیں فروخت کرتا ہے، البتہ آج کے لیے اس نے اس کا اظہار کیا کہ شاید وہ بیمار ہو گیا ہوگا اس لیے نہیں آیا۔خان نے اپنی گھڑی دیکھی۔ابھی پورے ساڑھے دس بھی نہیں ہوئے تھے۔پولیس ہیڈ کوارٹر واپس پہنچتے ہی اسے اطلاع ملی وہ یہ کہ رانا پر اس خوفناک طاقت نے

اپنے تیسرے حکم کا عمل درآمد کر ہی ڈالا۔اس کی پراسرار موت پولیس لاک اپ میں واقع ہوئی۔یہ بات کم حیرتناک نہ تھی۔انسپکٹر ڈیسوزا نے بتایا کہ اسے جب رات کا کھانا پہنچایا گیا تو اس کے کھانے کے بعد ہی اس کی موت واقع ہوگئی۔اور جب اس کا باقی ماندہ کھانا ایک بلی کو دیا گیا تو بلی کو کچھ بھی نہیں ہوا۔جس کا مطلب یہ ہے کہ اسے کھانے میں بھی زہر نہیں دیا۔کھانا سڑک کے بار والے ایرانی کے ہوٹل سے لایا گیا تھا۔وہاں دوسرے کھانے کی بھی جانچ کی گئی، لیکن اس میں کوئی نقص نہیں تھا۔

''کیا کوئی لاک اپ کے اندر بھی گیا تھا؟''

''کوئی بھی نہیں۔کھانا بھی صرف دروازہ کھول کر اس کے سپرد کیا گیا تھا۔''ڈیسوزا نے بتایا۔

''کیا اس کا باقی ماندہ کھانا محفوظ ہے؟''

''جی ہاں۔''

''منگایئے۔''

یہ کہتا ہوا خان اپنے آفس میں چلا گیا۔

باقی ماندہ کھانا چینی کی ایک پلیٹ میں رکھا ہوا تھا اور وہ ڈیسوزا نے لاکر خان کی میز پر رکھ دی۔خان نے ٹیبل لیمپ روشن کر لیا اور میز سے پنسل اٹھا کر اس کی نوک سے پلیٹ کا ایک ایک چاول الگ الگ کر کے دیکھنے لگا۔چاول صاف تھے اور اس میں ملے ہوئے سالن کے علاوہ اور کسی چیز کی آمیزش نہیں تھی، لیکن بالآخر وہ اطمینان کی ایک لمبی سانس لے کر کسی چیز کو گھورنے لگا۔وہ ایک چھوٹا سا کنکر تھا۔خان نے اسے ایک چٹکی سے پکڑ کر باہر نکال لیا۔پھر تمام چاول چھترا کر دیکھ ڈالے۔پر اسے ویسا کنکر اور نہ مل سکا۔ڈیسوزا اس کی اس حرکت کو غور سے دیکھ رہا تھا۔

''یہ تو کنکر ہے۔اکثر چاول میں ملے ہوتے ہیں۔''

''ہاں، لیکن مجھے ان پر ہی شبہ ہے۔ ویسے شاید تجربے کے لیے یہ مقدار بہت تھوڑی ہو اس لیے ان دانوں کو کیمیکل انالائیزر کے پاس بھیج دیجیے۔''

''یہ سب اسی تھری رنگ کیس کا شاخسانہ ہیں؟'' ڈیسوزا نے پوچھا۔

''ہم۔'' خان نے مختصراً جواب دیا۔ ''ویسے ایک اچھا خاصہ ثبوت ان لوگوں نے ختم کر دیا۔ میں اسے شاہی گواہ بنانے والا تھا۔''

بات یہیں تک پہنچی تھی کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ خان نے رسیور اٹھالیا۔

''تم رستم بن گھستم بن سہراب مودی...''

''بکو جلدی، کیا بات ہے؟''

''کیٹی نے مجھے اطلاع دی ہے کہ آج رات کو گڈس ٹرین نمبر ۱۳ سے کروڈ آئل کے ڈبوں کی ایک ویگن آرہی ہے۔ اسے چیک کرنا چاہیے۔''

''کروڈ آئل؟... اوہ... اچھا۔''

''بس اس وقت صرف اتنا ہی۔ اور ہاں، مس پارکر پر بھی دو دائروں کی ڈگری لگ چکی ہے۔ ایڈمانسٹن روڈ پر بھکارن بنی پھر رہی ہے۔''

''مس پارکر... تو پھر فوراً رتن چند کو چیک کرنا چاہیے۔'' خان نے چونک کر کہا۔

''وہ کہیں باہر گیا ہوا ہے۔ میں نے دیکھا تھا اس کی قیام گاہ مقفل ہے۔'' بالے نے بتایا۔

''خیر، میں دیکھ لوں گا۔ تم تو پوری کوشش اس بات کی کرو کہ کسی طرح ان کے باس کا سراغ مل جائے۔ ریکٹ کے زیادہ تر آدمی تو ہماری نظروں میں آچکے ہیں، لیکن ان کا عیار سرغنہ خود انھیں بھی اپنے بارے میں اندھیرے میں رکھتا ہے۔ ایک مارٹیگو اس کا خاص آدمی تھا اور وہ بھی مارڈالا گیا۔''

''کیٹی وہاں تک تو پہنچ چکی ہے، لیکن اس سے آگے اس کا معاملہ بھی گول ہی نظر آتا

ہے۔''

''خیر، تم اس کی فکر چھوڑو، میں خاموش نہیں بیٹھا ہوں۔ میرے بازو جس وقت پھیلیں گے تو ان میں وہ سب سمٹ آئیں گے۔ البتہ تم کسی طرح مس پارکر کو بھڑکا کر دوسری ڈگری کے سزا بھگتنے سے روک دو، تب یقیناً اس کا نامعلوم باس اس پر اپنا تیسرے داؤ والا فیصلہ نافذ کرائے گا اور اس وقت ممکن ہے کوئی واضح شکل سامنے آئے۔''

''وہ بیچاری چاروں ہاتھ پاؤں سے میرا دم بھرتی ہے۔''

''تو تم بھی اس کے ساتھ جہنم واصل ہو جانا۔''

''جہنم میں وصل... یعنی کیا؟''

''تمہارا سر۔''

''جہنم میں وصل اور میرا سر؟ آپ نے ضرور کچھ پی لی ہے۔''

''شامت آ رہی ہے تمہاری۔''

''کیا میرا مس پارکر سے ملنا خطرے سے خالی نہ ہوگا۔ وہ مجھ پر شک کرنے لگیں گے۔''

''شک تو انھیں اس وقت ہو چکا ہوگا جب ان کا آدمی تمہاری بیان کے مطابق تمہیں اس کے سامنے سے کار میں لے گیا تھا۔ یہ شک اور بڑھ جائے تو اچھا ہے، لیکن اس کی نوعیت ایسی نہ ہو کہ تمہیں سرکاری آدمی سمجھ بیٹھیں۔'' خان نے اسے سمجھایا۔

''میں سب سمجھ گیا۔ چل بھئی بکرے صدقے کے۔ آپ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر دعائے خیر فرمایئے۔'' بالے نے یہ کہہ کر سلسلہ منقطع کر دیا۔

خان ڈیسوزا کو ایرانی کے ہوٹل کے پیروں میں اس پیرے سے جو کھانا لے کر آیا تھا، سوالات کی ہدایات کر کے دفتر سے نکل آیا۔ گھڑی گیارہ بجا چکی تھی۔ اس نے کار اسٹارٹ کی اور اس کا رخ شہر کے بڑے قبرستان کی طرف کر دیا۔ تیسرا فون نمبر اسی سرکاری قبرستان کا تھا

جس کا آفس اگر چہ رات بھر کھلا ہی رہتا، لیکن اس کا منتظم ٹرسٹی قبرستان سے ملحق اپنے مکان میں سوتا رہتا تھا۔ کوئی خاص فون آتا تو مجاوروں میں سے کوئی اسے جگا لیا کرتا تھا۔

خان نے اپنی کار قبرستان کے باہر روک دی اور پیدل اندر داخل ہو گیا۔ اس شہرِ خموشاں میں رات کی بھیانک تاریکی میں پر ہول سناٹا چھایا ہوا تھا اور ان گنت قبروں کے تکیے اس اندھیرے میں سر اٹھائے بیٹھے سینکڑوں مردوں کی روحوں کی طرح نظر آ رہے تھے۔ قبرستان کی مسجد میں اس وقت بھی کچھ آدمی سو رہے تھے، جن میں زیادہ تر فقیر تھے اور ان میں سے ایک کھچڑی بالوں والا گندے سے کپڑوں میں ملبوس فقیر ایک کونے میں بیٹھا کھانس رہا تھا۔

''کیا ابھی یہاں کوئی لاش دفنانے کو لائی گئی تھی؟'' خان نے اس سے سوال کیا۔

''آہستہ... اوغ... کھک کھک کھاں کھاں...'' وہ کھانسنے لگا۔ ''نہیں تو، گھنٹے دو گھنٹے سے تو کوئی نہیں۔''

''پھر کہاں لے گئے ہوں گے، کمبخت؟'' خان سیدھا ہو کر بڑبڑایا اور پلٹ پڑا۔ پھر قبرستان کے دروازے کے باہر آ کر وہ دروازے سے ہی چپک کر اندھیرے میں کھڑا ہو گیا۔ اس وقت وہ اپنے شہری لباس میں تھا اور اس اندھیرے میں اس کی شکل بھی ٹھیک سے پہچانی نہیں جا سکتی تھی۔ اس نے دروازے میں جھانک کر دیکھا، وہ فقیر اب کھانسنا بند کر چکا تھا اور چاروں طرف محتاط انداز میں دیکھتا آفس کی طرف جا رہا تھا۔ پھر وہ کسی کو فون کرنے لگا۔ خان وہیں کھڑا رہا، مگر جب اس نے اسے دفتر سے نکل کر دروازے کی طرف آتے دیکھا تو دروازے سے ہٹ کر اس گلی کے موڑ پر آ گیا، جہاں اس کی کار کھڑی تھی۔ اس نے دیکھا وہ فقیر اب اپنی جھکی ہوئی کمر سیدھی کر کے تیز رفتاری سے سڑک پر جا رہا تھا۔ وہ پھر ایک جگہ اندھیرے میں ایک دیوار سے لگ کر کھڑا ہو گیا۔ خان کچھ دیر تک اپنی جگہ کھڑا رہا، پھر آہستہ آہستہ کھسکتا ہوا اپنی کار تک پہنچ گیا۔ بمشکل پانچ منٹ بعد ہی ایک لمبی سی کالے رنگ کی کار کی ہیڈ لائٹس نے اس

سونی سڑک کو روشن کر دیا۔وہ کار قبرستان کی طرف ہی آ رہی تھی اور جیسے ہی اس کی روشنی اس فقیر پر پڑی،اس کی ہیڈ لائٹس بجھ گئیں ۔کار اس کے قریب ہی رک گئی اور وہ تیزی سے اس کا پچھلا دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گیا۔کار نے وہیں سے ٹرن لیا اور واپس روانہ ہو گئی۔خان کی کار بھی اب اس کا پیچھا کر رہی تھی۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

عشق پر زور نہیں

بالے رتن چند کے سامنے موجود تھا۔ رتن چند اس وقت خلافِ معمول کافی خوفناک اور جابر سی شخصیت نظر آ رہا تھا۔ خان کا شبہ صحیح ہی نکلا تھا۔ رتن چند بظاہر شہر سے باہر گیا ہوا تھا، لیکن اس وقت اسٹور یا ہوٹل کے ایک روم میں اس کے سامنے بیٹھا تھا۔

بالے کو یہاں اپنے نامعلوم باس کے حکم پر لایا گیا تھا۔

''کیا تمہیں معلوم نہیں کہ سزا پانے والے ممبروں سے کسی ممبر کو ملنے کی اجازت نہیں ہوتی تاوقتیکہ اسے ایسا کرنے کا حکم نہ دیا جائے؟'' رتن چند درشت لہجے میں اس سے پوچھ رہا تھا۔

''اگر آپ کا اشارہ مس پارکر کی طرف ہے تو مجھے اس کا اقبال ہے۔'' بالے نے ادب سے کہا۔

''میں پوچھتا ہوں کیا تمہیں پہلے یہ بات نہیں بتائی جا چکی تھی؟'' رتن چند غضبناک ہو گیا۔

''جی ہاں، لیکن ...لیکن... میں اس کے لیے باس سے رحم کی اپیل کرنا چاہتا تھا۔'' بالے نے لہجے میں اور التجا پیدا کر لی۔

''یہاں کوئی کسی کی سفارش نہیں کر سکتا، ہر ایک کو اپنی غلطیوں کا خمیازہ بھگتنا ہی پڑتا ہے۔'' رتن چند نے کہا۔

''لیکن مجھے اس سے محبت ہے۔ آپ اس کے عوض مجھے جو چاہیں سزا دے لیں۔'' بالے رو پڑنے والے انداز میں بولا۔

''اوہ، یہ مجنوں کی اولادیں کیوں گھسی آ رہی ہیں۔'' رتن چند مٹھیاں بھینچ کر بڑبڑایا۔

Akram Allahabadi

''کیا تمھیں معلوم نہیں کہ محض ایک لڑکی کی خاطر رانا کا کیا انجام ہوا ہے؟'' رتن چند نے پھر کہا۔

''لیکن میں نے سنا ہے وہ لڑکی شبے کے لائق تھی۔''

''بکومت، باس کا حکم کسی تنقید یا استدلال کا محتاج نہیں ہوتا۔ وہ ہوتا ہے، جو وہ چاہتا ہے۔ یہ تو تمہاری خوش قسمتی ہے کہ تمہارے ساتھ اس قصور پر ابھی کسی قسم کی سختی برتی جانے کا حکم نہیں دیا گیا ہے۔''

''پھر اسے بھی معاف کر دیجیے نا۔'' بالے نے بچوں کی طرح ہمک کر کہا

''اور آپ کو دودھ کی ایک شیشی بھی دلا دیجیے نا۔'' رتن چند نے منہ بنا کر طنز کیا۔

بالے نے کوئی جواب دینے کی بجائے سر جھکا لیا۔

''بہر حال تم اب اس سے نہیں ملو گے۔ اس کے لیے تیسری ڈگری کا حکم ہو چکا ہے۔''

''یا... یا... یانی کہ خلاص؟'' بالے نے ہکلا کر گھبراہٹ کا مظاہرہ کیا۔

''اس حکم پر کسی وقت بھی عمل درآمد ہو سکتا ہے اور اسی لیے تمھیں تنبیہہ دی جا رہی ہے، بلکہ میرا بس چلتا تو تمہارے اوپر بھی ایک دائرہ لگا دیتا۔'' رتن چند نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔

''پھر میرے لیے کیا حکم ہے؟''

''تمھیں چار آدمیوں کے کاندھوں پر ایک لاوارث جنازہ اٹھوانا ہے۔'' رتن چند نے حکم دیا۔

''کک کیا؟'' بالے نے حیرت سے منہ کھول کر پوچھا۔

''جو کام یہاں ممبروں کے سپرد کیے جاتے ہیں، اس کی وجہ پوچھنے کی انھیں اجازت نہیں ہے۔''

Akram Allahabadi

''ٹھہریے، لیکن یہ کیسے ہوگا؟''

''انھیں بلکھار کے شنٹنگ یارڈ والے ریلوے کراسنگ کے اس پار واقع چھوٹی سی بستی کے قریب وہ جنازہ سپرد کیا جائے گا اور تم وہاں پہلے سے ایک تابوت اور چار آدمی لیے موجود رہو گے۔''

''اور یہ چار آدمی کہاں سے آئیں گے؟''

''انھیں کسی قیمت پر تم مہیا کرو گے، لیکن یہ بتا کر کہ ایک لاوارث مردہ ہے، اسے قبرستان پہنچوانا ہے۔''

''بہتر ہے، اس کے بعد؟''

''اس کے بعد تم دیہو روڈ کے چھوٹے راستے سے اسے لے کر بڑے قبرستان پہنچو گے، یہاں تمھیں ایک فقیر ملے گا۔ وہ تمھیں ضروری ہدایتیں دے گا۔''

''بس؟''

''ہاں۔ اور یہ کام اس قدر ہوشیاری سے کیا جائے گا کہ کسی کو شبہ تک نہ ہو۔''

''کیسا شبہ؟''

''یہ پوچھنے کی ضرورت نہیں۔''

''اور جو راستے میں کسی نے روک لیا؟''

''ہم آنکھیں بند کر کے نہیں بیٹھتے۔ اور ہاں لو یہ۔ آج سے باقاعدہ ممبر شپ کا بیج تمھیں دیا جا رہا ہے۔ اسے اپنے کالر میں اندر کی طرف لگا لو۔'' یہ کہہ کر رتن چند نے اسے پیتل کا ایک چھوٹا سا سہ حرفی بیج دے دیا، جس پر انگریزی کے تین آر بنے ہوئے تھے۔

اس کے بعد اسے کوئی اور سوال کرنے کی اجازت نہیں دی گئی۔ اسے اسی آدمی کے ساتھ باہر آجانا پڑا، جو اسے لے کر گیا تھا۔ صرف اس وقت بالے نے عقلمندی کی تھی کہ پاکٹ ٹرانسمیٹر اپنے ساتھ رکھ لیا تھا، لیکن اسے ساتھی کی وجہ سے اتنی مہلت نہیں مل رہی تھی کہ کسی طرح

خان کو اس حالات سے باخبر کر دیا جائے اور خصوصاً مس پارکر سے متعلق اس ریکٹ کے فیصلے سے۔ یہاں واپسی پر ایک بار ہی بھیجنا تھا اور یہ بھی ایک عجیب اتفاق ہو گیا کہ راستے میں ایک جگہ ان کی کار کا پٹرول ختم ہو گیا۔ شاید قدرت کو مس پارکر کی زندگی منظور تھی۔ کار چلانے والے ساتھی نے اپنی کار روک دی، مگر یہاں قریب میں کوئی پیٹرول پمپ نہیں تھا۔ کار چلانے والے نے اتر کر اندر ہاتھ ڈال کر گیلن والا ڈبہ نکالا، لیکن اس میں بھی پیٹرول نہیں تھا۔

''ایک پیٹرول پمپ پیچھے رہ گیا ہے، تم وہاں جا کر دو گیلن پیٹرول لے آؤ۔'' اس آدمی نے دس کا ایک نوٹ بالے کو دیتے ہوئے کہا۔

''میں کیوں جاؤں؟ تم خود جاؤ۔'' بالے اکڑ گیا۔

''میں جو کہہ رہا ہوں۔''

''مجھے تمہارا حکم ماننے کے لیے کوئی حکم نہیں ملا ہے۔ میں نہیں جاؤں گا۔'' بالے اور تیز ہو گیا۔

''اوہ، تم خر بھیجے۔'' وہ آدمی بڑبڑاتا ہوا کار سے اتر گیا اور منہ ہی منہ میں گالیاں کہتا ہوا پیچھے پیٹرول پمپ کی طرف جانے لگا۔ بالے مسکراتے ہوئے اسے دیکھتا رہا اور جب وہ کافی دور نکل گیا تو بالے نے اپنا پاکٹ ٹرانسمیٹر نکال لیا اور اس کی راڈ باہر نکال دی۔ وہ اس پر خان کو کال کرنے لگا۔ خان اس وقت ضرور اپنی کار میں رہا ہوگا، کیونکہ جلد ہی بالے کو اس کا جواب مل گیا۔ خان کی کار میں رسیونگ سیٹ نصب تھا۔ بالے نے اسے تمام واقعات سے آگاہ کر دیا اور خان نے اسے یہی ہدایت کی کہ اس سے جس طرح کہا گیا ہے، اسی طرح عمل کرتا ہے۔ ''اسے کہتے ہیں کہ بھینس کے آگے بین بجاؤ۔'' بالے نے کہنا چاہا۔

''گدھے بین نہیں بجایا کرتے۔'' دوسری طرف سے خان کا جواب ملا اور ساتھ ہی گفتگو بھی ختم ہو گئی۔ وہ آدمی جلد ہی پٹرول لے کر آ پہنچا اور کار اپنی غذا پا کر دوڑنے لگی۔

☆☆☆☆☆☆

مس پارکر ایک درخت سے ٹک کر کھڑے کھڑے ہی سو گئی تھی۔ شاید اسے فٹ پاتھ کے کنارے سونا برداشت نہ ہوتا تھا، لیکن وہ اس وقت چونکی جب اسے اپنی پشت پر کوئی چیز رینگتی محسوس ہوئی۔ اس نے پلٹ کر دیکھا۔ پشت پر ایک ٹوٹے ہوئے احاطے کی فصیل تھی اور چاروں طرف سناٹا چھایا ہوا تھا۔ پھر اسے نہ جانے کیا خیال آیا جو اس نے اپنے لبادہ نما سائے کو اتار ڈالا۔

اسے یہ بھی پرواہ نہ رہی کہ وہ ایک جوان عورت ہے اور لپ سٹرک اس کا اس طرح بدن کے اوپری حصے کو عریاں کرنا نامناسب ہے۔ شاید کسی نامعلوم خوف کا احساس ہی تھا جس نے اسے ایسا کرنے پر مجبور کیا اور اس کا خوف درست نکلا۔ اس کی پشت پر ایک اور دائرے کا اضافہ ہو چکا تھا۔ وہ تین دائرے اس کے تصور میں پھسلتے پھسلتے پھانسی کا پھندا بن گئے اور وہ چیخ اٹھی۔ پھر اس نے خوفزدہ نظروں سے احاطے کی شکستہ دیوار کے اس پار دیکھا۔ دیوار کے کنارے کنارے ایک انسانی سایہ رینگ رہا تھا اور اس وقت اتنی بھی جرأت نہ ہوئی کہ وہ اس کی طرف نظر بھر کر دیکھ سکے۔ وہ سایہ آگے جا کر تاریکی میں مدغم ہو گیا اور مس پارکر آنے والے لمحوں کا تصور کر کے تھر تھر کانپنے لگی۔ پھر جیسے زندہ رہنے کی خواہش نے اس میں ایک نئی لہر دوڑا دی۔ وہ بے تحاشہ فٹ پاتھ کے کنارے بھاگنے لگی۔

وہ گلا پھاڑ پھاڑ کر خوفزدہ آواز میں، 'پولیس... پولیس...' چیخ رہی تھی، لیکن اس علاقے میں رات کے اس وقت کوئی اس کی آواز سننے والا نہ تھا۔ وہ جس قدر زور سے چیختی، اسے اپنی آواز حلق میں اتنی ہی گھٹتی معلوم ہوتی۔ اور شاید اس کے اس غلط اقدام نے ہی زندگی کا عرصہ اس پر اور تنگ کر دیا۔ وہ فٹ پاتھ چھوڑ کر اس وقت سڑک پر پوری تیزی سے دوڑنے لگی تھی۔ یہ دوڑ اس کے اپنے خیال میں بڑی تیز تھی، لیکن حقیقت یہ ہے کہ خوف کی وجہ سے اس کے پیر بوجھل ہو کر اور بہک بہک کر پڑ رہے تھے۔ اچانک سامنے سے آتی ہوئی ایک کار کی ہیڈ

لائٹس نے اسے چونکا دیا۔وہ ٹھٹک کر رک گئی اور اسے روکنے کے لیے ہاتھ ہلانے لگی۔کچھ دور پر ہی سڑک کے داہنی طرف ایک چھوٹی سڑک بھی تھی، جو بالکل سونی پڑی تھی،لیکن نہ جانے جیسے جیسے وہ کار قریب پہنچنے لگی،مس پارکر کی آواز حلق میں پھنسنے لگی۔شاید وہ اس کا نمبر بالکل پہچانتی تھی۔اس کی آنکھیں خوف وحیرت سے پھیل گئیں اور قدم لڑکھڑا گئے۔اس نے لاکھ چاہا کہ کار کی زد سے بھاگے،لیکن پیروں نے ساتھ نہ دیا اور وہیں گر کر سر سے پیر تک لرزنے لگی۔کار کی ہیڈ لائٹس اب تمتماتی ہوئی اس کی آنکھوں پر پڑ رہی تھیں۔بالآخر اپنی تمام تر قوت کو مجتمع کر کے وہ کسی ذبح ہونے والے بکرے کی طرح حلق پھاڑ کر چیخی اور سر پر پہنچنے والی موت سے اس کے ذہن کو شدتِ خوف سے معطل کر دیا۔اب اسے اس نامعلوم خونخوار شخصیت کے تیسرے حکم سے کوئی نہ بچا سکتا تھا۔اور آنے والی کار کی رفتار میں بھی کوئی فرق نہ آیا تھا۔وہ اس کے تلے کچلنے کے خوف سے تقریباً بیہوش ہونے والی تھی کہ اچانک ایک ان ہونی بات ہو گئی۔ اس کار کے قریب آتے ہی سائڈ والی اسٹریٹ سے ایک بغیر روشنی کا ٹرک تیزی سے نکل کر سڑک پر اس کار کے سامنے آ گیا۔وہ کار اپنی تیز رفتار میں اس سے اس بری طرح ٹکرائی کہ ٹرک تو خیر الٹ ہی گیا،لیکن کار کے پرخچے اڑ گئے۔اس کے صرف چند سیکنڈ بعد ہی یہ چوراہا پولیس کی قمقمیش لائٹس سے روزِ روشن کی طرح جگمگا اٹھا۔چاروں طرف سے پولیس اپنی سیاہ وردی میں امڈ پڑی۔سب سے آگے انسپکٹر شاہ تھا،جس نے سب سے پہلے دوڑ کر مس پارکر کو دیکھا۔ اسے کوئی گزند نہیں پہنچا تھا،وہ صرف بیہوش تھی۔البتہ اس کار میں موجود دو آدمیوں میں سے ایک ہلاک ہو چکا تھا اور دوسرا شدید طور پر زخمی ہوا تھا۔انسپکٹر شاہ نے اسے پہچان لیا۔وہ ایشور لال تھا اور مرنے والا سانولی رنگت کا بھاری تن وتوش کا آدمی تھا۔پولیس ٹرک کا ڈرائیور صحیح و سالم بچ گیا تھا۔ٹرک الٹنے کے وقت وہ گاڑی سے کود گیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆

نقلی جنازہ

یہ ایک غیر معمولی بات ہی تھی کہ گڈس ٹرین نمبر ۱۲ کو بلکھار میں ہی شنٹنگ لائن پر ڈال دیا گیا، حالانکہ اس اسٹیشن کے لیے کوئی بوگی بک نہیں تھی۔ مال گاڑی کے رکتے ہی کراسنگ پر پھاٹک کے باہر کھڑی ہوئی ایک کار کی سامنے کی لائٹس تین بار روشن ہوئیں اور بجھیں اور اسی طرح ٹرین کے گارڈ نے تین بار اپنی لالٹین چمکائی۔ جس کے بعد ہی اس کار سے ایک آدمی اتر کر سیدھا گارڈ کے پاس آپہنچا۔ وہ رتن تھا۔

"سب ٹھیک ہے۔" گارڈ نے بتایا۔

"یہ لو۔" رتن چند نے جیب سے نوٹوں کا ایک بنڈل نکال کر گارڈ کے حوالے کر دیا۔ پھر اس نے کار کی طرف کر کے جیب سے ٹارچ نکال کر چمکائی اور دیکھتے ہی دیکھتے اس کار کے پچھلے حصے سے تین آدمی اتر کر ٹرین کی طرف دوڑ پڑے۔ گارڈ نے اسی وقت ایک ویگن کا لاک کھول دیا اور وہ لوگ اندر گھس گئے۔ اس ڈبے میں کروڈ آئل کے ڈبے بھرے ہوئے تھے۔ ان آدمیوں کے ہاتھوں میں ایسے اوزار تھے جن کی مدد سے انھوں نے ڈبوں کے نچلے حصے کاٹ ڈالے، لیکن ان ڈبوں میں جو کروڈ آئل بھرا ہوا تھا اس کی ایک بوند نہیں گری، کیونکہ ہر ڈبے میں دو پیندے لگے ہوئے تھے، جس کا مطلب یہ تھا کہ تیل بھرنے کی حد کے بعد نچلا پیندا اور اس کے نیچے تقریباً تین چار انچ کا خلاء ہر ڈبے میں تھا اور اس کے بعد پھر نچلا دوسرا پیندا۔ اس نچلے پیندے کو ہٹانے پر اندر سے پیلے پیلے سونے کی پتلی پتلی اینٹیں باہر نکل پڑیں۔ رتن چند کے ہاتھوں میں بیگ تھا۔ وہ انھیں بیگ میں بھرنے لگا۔ یہ عمل تقریباً پندرہ منٹ تک جاری رہا۔ اس کے بعد وہ ان پیندوں کو اسی طرح نیچے جما کر باہر نکل آئے۔ سونے سے کینوس کے تین بیگ بھر گئے تھے اور ان میں سے کسی کا وزن تیس پونڈ سے کم نہ تھا۔

وہ جیسے ہی ان تھیلوں کو لے کر کار کی طرف چلے، گارڈ نے روشنی دکھائی اور گاڑی آگے بڑھنے لگی۔

ان کے پچھلے حصے میں ایک عجیب چیز رکھی ہوئی تھی ۔وہ ایک انسانی پتلا تھا،لیکن چینی مٹی کے قسم کی ایسی مٹی کا بنایا ہوا جو دھات کی طرح مضبوط اور المونیم کی طرح ہلکی ہوتی ہے۔یہ پتلا اگر رات میں کہیں رکھ دیا جاتا تو اچھے سے اچھے ہوش مند کو بھی اس پر کسی انسانی لاش کا دھوکہ ہو جاتا۔پتلے کے کان کے پاس بالوں میں چھپے ہوئے ایک بٹن کے دباتے ہی اس کا پیٹ کیسی کھڑکی کے پٹ کی طرح کھل گیا اور تمام سونا اس کے اندر رکھ دیا گیا۔

''اب یہ لاش اس کے سپرد کر کے چلے آؤ۔''رتن چند نے حکم دیا۔

''لیکن کیا ہم اسے کار کے چیمبرز میں نہیں لے جا سکتے؟''ان میں سے ایک نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

''نہیں، رات کے وقت تمام کاروں کی اچانک چیکنگ کر لی جاتی ہے۔پولیس کا جال سب طرف پھیلا ہوا ہے۔''رتن چند نے جواب دیا۔

''بہتر ہے۔''وہ بولا۔

بستی اس کراسنگ سے تھوڑی ہی دور تھی۔یہاں بے گھر غریب لوگوں کے گندے اور چھوٹے چھوٹے جھونپڑے تھے۔بالے بستی کے سرے پر ایک درخت کے سائے میں تاریکی میں کھڑا تھا۔اس نے کار کو آتے دیکھ لیا تھا،اس لیے پہلے ہی آگے بڑھ آیا۔وہ کار اس کے نزدیک آ کر ٹھہر گئی۔اس میں رتن چند نہ تھا،صرف تین آدمی تھے۔انھوں نے بالے کو پہچان لیا اور بالے نے بھی ان میں سے ایک کو پہچان لیا۔وہ مارٹیگو کا وہی سیکیورٹی آفیسر تھا،بالے نے پہلی بار کروڈ آئل کے گودام پر دیکھا تھا۔اس آدمی نے بغیر کچھ کہے وہ پتلا جو اب ایک سفید چادر میں لپیٹا جا چکا تھا،بالے کے سپرد کر دیا۔ایک تابوت کا انتظام پہلے سے تھا،جس پر اسے لٹا کر وہ اپنے آدمیوں کے کاندھے پر لے چلا۔بڑا قبرستان دیہو روڈ کے راستے سے زیادہ سے

زیادہ ایک میل کے فاصلے پر تھا۔اور راستے پر بالے محسوس کرتا رہا کہ فاصلے پر وہی لمبی کالی کار ان کے پیچھے آرہی ہے۔شاید حفاظت کے لیے یا ممکن ہے اس پر انھیں پورا بھروسہ نہ ہو۔یہ مصنوعی جنازہ ابھی قبرستان سے ایک فرلانگ کے فاصلے پر ہی تھا کہ بالے نے پیچھے آتی ہوئی کار کو اچانک رکتے دیکھا۔اور پھر سڑک پر روشنی کا دریا سا بہنے لگا۔پولیس کی گاڑیوں نے رتن چند کی کار کو گھیرے میں لے لیا تھا اور خان کی آواز یہاں تک کڑکتی سنائی دے رہی تھی۔

''کسی نے اگر کوئی حرکت کی تو مشین گن کی گولیوں سے بھون ڈالے جاؤ گے۔''

اس کار میں اس وقت بھی رتن چند موجود نہ تھا۔وہ تینوں آدمی اپنے ہاتھ اوپر اٹھاتے ہوئے نیچے اتر آئے۔خان کے ساتھ ڈیسوزا موجود تھا۔

''مسٹر ڈیسوزا، انھیں گرفتار کر کے لے جایئے۔'' خان نے ہدایت کی اور خود ان آدمیوں کی کار میں آبیٹھا۔اس کے بعد اس نے کار کی روشنی جلا اور بجھا کر بالے کو آگے بڑھتے رہنے کا سگنل دیا اور مصنوعی جنازہ آگے بڑھنے لگا۔ڈیسوزا نے ان تینوں آدمیوں کو ایک سب انسپکٹر اور چار کانسٹیبلوں کے حوالے کر دیا اور خود اپنی جیپ میں آہستہ آہستہ خان کے پیچھے چلنے لگا۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

قبرستان کا بھوت

جس وقت یہ مصنوعی جنازہ قبرستان میں داخل ہوا، ہر طرف سناٹا چھایا ہوا تھا اور مسجد کی روشنی بھی بجھ چکی تھی۔ لیکن وہ فقیر ابھی تک ایک کونے میں پڑا کھانس رہا تھا۔ جنازے کو دیکھتے ہی وہ دوڑ پڑا۔

''اللہ تمہارا بھلا کرے، کچھ دے جاؤ... کچھ لے جاؤ...'' وہ دعائیں دیتا ہوا ان کے قریب آ گیا۔ بالے نے اسے غور سے دیکھا اور پھر چونک سا پڑا۔ یہ شکل اسے پہچانی ہوئی سی معلوم ہوئی، لیکن یادداشت نے فوری طور پر ساتھ نہ دیا۔ وہ صرف سوچتا رہ گیا۔

''رتن کہاں ہے؟'' فقیر نے بالے کے قریب آ کر پوچھا۔

''پیچھے آ رہے ہوں گے۔'' بالے نے جلدی سے جواب دیا۔

''خیر، ادھر چلو۔'' وہ اپنی قبا کو جھٹک کر چاروں طرف دیکھتے ہوئے ایک کچے راستے کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ وہ لوگ اس کے پیچھے چلنے لگے۔ نئی پرانی قبروں کے درمیان سے گزرتا ہوا وہ ان کی رہنمائی کرتا رہا۔ اندھیرے میں ان آدمیوں کو کبھی کبھی ٹھوکر بھی لگ جاتی، لیکن ایک دوسرے کو سنبھال لیتا۔

بالآخر وہ ایک جگہ پہنچ کر رک گیا۔ یہ مقام چاروں طرف سے خودرو جھاڑیوں سے گھرا ہوا تھا۔ اور یہاں ایک تازہ کھدی قبر تیار تھی، جس کے قریب تین آدمی ہاتھوں میں کدالیں لیے موجود تھے۔ وہ صحت مند اور اچھی حیثیت کے معلوم ہونے کے باوجود گورکنوں کے گندے لباس میں تھے۔

''آ گیا۔'' ان میں سے ایک نے جلدی سے کہا۔

''ہاں، جلدی لواسے۔'' وہ فقیر تابوت کی طرف اشارہ کر کے بولا۔ چنانچہ وہ تینوں

جھپٹ پڑے۔تابوت اتار دیا گیا اور انھوں نے اس نقلی مردے کو اس پر سے اٹھا لیا۔اس فقیر نے اس وقت اپنی گدڑی کی جیب سے ایک نارنج نکال لی تھی۔چنانچہ اس نقلی مردے کو اس گہری قبر میں اتار دیا گیا۔بالے نے جھانک کر دیکھا، یہ قبر عجیب قسم کی بنائی گئی تھی۔اس میں اندر دائیں طرف ایک تہ خانہ کاٹ کر بنایا گیا تھا اور نقلی مردہ اس طرف لٹا دیا گیا۔اس کے بعد ان میں سے دو آدمی جھاڑیوں کی طرف بڑھے اور انھوں نے اس میں سے ایک تازہ دفن شدہ لاش کو نکال کر اس قبر کے اوپر سے نظر آنے والے حصے میں لٹا دی۔پھر پھاوڑوں کی مدد سے اسے پاٹنے لگے۔قبر کے مکمل ہوتے ہی پتھر کا ایک تکیہ اس پر لگا دیا گیا اور بالے یہ دیکھ کر چونک پڑا کہ اس تکیے پر بھی تین دائرے بنے ہوئے تھے۔

''پولیس ابھی شہر میں سرگرم ہے اس لیے مال چار دنوں تک یہیں محفوظ رہے گا اس کے بعد تقسیم ہوگی۔''اس فقیر نما باس نے ان تین آدمیوں سے مخاطب ہو کر کہا پھر وہ بالے کی طرف گھوما۔

''شاباش،تم بہت اچھے کارکن ہو۔میں تمھیں چند دنوں میں لکھ پتی بنا دوں گا۔''اس نے بالے کی پیٹھ تھپک کر کہا۔اس کا منتشر بالوں والی کھچڑی داڑھی میں چھپا ہوا چہرہ اس وقت بھی بالے کے لیے پراسرار بنا ہوا تھا۔

''نہیں بناؤ گے تو میں اس قبر کو کھود کر تمھیں دفن کر دوں گا۔''بالے نے قبر کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

''کیا مطلب؟''یہ کہتے ہوئے فقیر کی جیب سے پستول نکل کر اس کے ہاتھ میں آ گیا۔

''لو،اس میں بگڑنے کی کیا بات ہے۔مائی ڈیئر جیکب،یہ تو بزنس ہے۔''یہ کہتے ہوئے قبل اس کے فقیر فائر کرے،بالے نے جوتے کی ٹو سے قبر کی مٹی اس ک منہ پر اچھال دی۔فقیر کا نشانہ بہک گیا۔گولی کھجور کے ایک درخت کے تنے پر لگی۔لیکن آنکھیں ملتے ہوئے

بھی وہ تیزی سے قلابازی کھا کر آڑ میں ہوگیا اور اس کے آدمیوں نے بھی فوراً ادھر ادھر پوزیشن لے لی۔

قبرستان کے اس سونے ماحول میں اچانک فائرنگ کی آواز گونجنے لگی اور بالے نے دیکھا کہ اس پر اسی وقت پشت سے بھی بوچھاڑ شروع ہوگئی ہے۔ وہ تین فقیر تھے جو باہر سوئے ہوئے دیکھے گئے تھے۔ یہ پوزیشن بڑی عجیب تھی، کیونکہ وہ دوطرفہ خطرے میں گھر گیا تھا، لیکن عین موقع پر قبرستان کا تاریک ماحول دن جیسی روشنی سے جگمگا اٹھا اور سوتی ہوئی قبریں پولیس کے مسلح سپاہیوں کو نگلنے لگیں۔ بالے اس چکا چوندھ سے تھما ہی تھا کہ اچانک اس فقیر نما جیکب نے ایک جست کی اور اس کی مشکیں کس لیں۔

''خبردار جو گولی چلائی، ورنہ تمہارے اس آدمی کا بدن چھلنی ہوجائے گا۔'' وہ گرجا۔

''پرواہ نہ کرو، بیٹے، اس چھلنی سے تمہاری مٹی چھنے گی۔'' بالے اس کی گرفت سے آزاد ہونے کی کوشش کرتے ہوئے بولا۔

''بند کرو فائرنگ، ہتھیار ڈال دو، ورنہ میں اسے ختم کرتا ہوں۔'' جیکب نے دوبارہ وارننگ دی۔ اور واقعی پولیس والے جہاں تھے وہیں رک گئے، مگر ٹھیک اسی وقت روشنی کی طرف سے ایک شعلہ چمکا اور جیکب خاک پر گر کر تڑپنے لگا۔ خان پستول کی نالی پھونکتا ہوا چلا آرہا تھا۔

پولیس نے چاروں طرف سے قریب آکر ان سبھوں کو گھیر لیا اور انھوں نے بغیر کسی جدوجہد کے ہتھیار ڈال دیے۔ انھیں فوراً گرفتار کرلیا گیا۔

''یہ سور ہے کون آخر؟'' بالے نے جیکب کی لاش کو پلٹتے ہوئے پوچھا۔

''نہیں پہچانے؟ اچھا داڑھی نوچو۔''

اور بالے نے جیسے ہی داڑھی نوچی، وہ چونک پڑا۔ وہ رتن چند تھا۔

وہ رتن چند جو اپنے نامعلوم باس کے نام پر اسے حکم دے رہا تھا، وہ رتن چند جو گڈز

ٹرین سے نامعلوم جیکب کے لیے مال وصول کر رہا تھا، وہ رتن چند جو شروع میں انتہائی معصوم سا بے روزگر نوجوان کا ہمدرد نظر آ رہا تھا اور جس کی سفارش پر ایلینا پارکر لوگوں کی تقدیر بدلنے کا راستہ کھولتی تھی، لیکن خود اس کے آدمیوں میں سے کوئی نہیں جان سکتا تھا کہ بہ ظاہر بے نیاز رہنے والا اور مارٹیگو کی موت کے بعد اس کی ذمے داریوں کا چارج جیکب کے حکم سے لینے والا آدمی رتن چند خود وہ پراسرار باس ہوگا جس کے تصور سے اس ریکٹ کے آدمی تھر تھر کانپتے تھے اور اس کے آدمیوں سے ایک نے جب یہ قبول کیا کہ ہر طرف اور ہر ذریعے سے آنے والا مال یہیں مختلف تازہ قبروں میں ایک نقلی قبر کھود کر چند دنوں تک دفن کیا جاتا تھا اور پھر اس کے بعد یہیں سے اس کی نکاسی کی جاتی تھی تو خان اس پراسرار آدمی کی ذہانت کی تعریف کیے بغیر نہ رہ سکا جو مہینوں سے ایک معمولی فقیر کی طرح اس قبرستان میں پڑا رہ کر ایک خوفناک بین الاقوامی اسمگلنگ ریکٹ کی ہندوستانی شاخ پر حکومت کرتا تھا۔ یہ بھی معلوم ہوگیا کہ شوکت کے نام پر لائے گئے کچے شیشے میں سونے کے ٹکڑے اندر ڈھلے رہتے تھے اور انھیں مارٹیگو کے کارخانے میں شیشے الگ کر کے یہاں پہنچایا جاتا تھا۔ مگر ان انکشافات کے باوجود تھری آر والے اس پراسرار ریڈ رنگ ریکٹ کے بارے میں کچھ اور نہ معلوم ہوسکا۔ یہ کہ ریڈ رنگ خود کہاں ہے اور کون ہے؟ کیونکہ اس راز کو یہاں رتن چند کے سوا کوئی نہ جانتا تھا اور دوسروں کا یہ عالم تھا کہ وہ خود رتن چند کے بارے ہی میں نہ جانتے تھے دوسرے دن ان تمام آدمیوں کا بھی پتا ان ملزموں سے مل گیا جو اس ناجائز سونے کی نکاسی کرتے تھے۔ وہی تینوں فقیر جو فائرنگ کرتے ہوئے قبرستان میں گرفتار ہوئے تھے، نکاسی کے ایجنٹ نکلے۔ وہ شہر کے باعزت اور خوش حال لوگ تھے۔ اور پھر وہ تمام مال بھی برآمد کرلیا گیا جس کی نکاسی ان لوگوں نے کی تھی۔ یہ تمام سونا تقریباً ایک کروڑ کی مالیت کا تھا۔

☆☆☆☆☆☆

اسی دن اسپتال میں دم توڑتے ہوئے اس سانولے تنومند آدمی نے بھی قبول دیا کہ ہندوستانی شاخ کا باس رتن چند ہی تھا اور اس راز کو صرف وہ اور مارٹیگو جانتا تھا۔

مس پارکر شاہی گواہ تسلیم کر لی گئی اور اسے نیک چلنی کی ضمانت پر معافی دیدی، لیکن ضمانت دینے والا کون تھا؟...شوکت...جس نے خان کے سمجھانے پر ضمانت لی تھی۔ ویسے وہ اس وقت بھی بالے کو گھور گھور کر بڑبڑا رہا تھا۔

"سالے پولیس والے اپنے باپ کے نہیں ہوتے۔ میرے دو لاکھ کا بیڑا غرق کرادیا۔"

حالانکہ اس کی گرفتاری کا اسٹنٹ صرف خان کا کھیلا ہوا تھا۔ شوکت کے ساتھ تو صرف اتنا ہی کیا گیا تھا کہ خان نے اسے چند دنوں کے لیے پونہ بھیج دیا تھا جہاں لیڈی سارجنٹ مس کھوٹے اسے عارضی طور پر اپنی زلف گرہ گیر میں الجھا رکھنے کے لیے کافی تھی۔ ویسے وہ شوکت کو انگریزی میں پاپ کہتی تھی۔ اور اس کا مطلب اسے یہ سمجھایا تھا کہ زیادہ پڑھی لکھی لڑکیاں اپنے محبوب کو اس نام سے پکارتی ہیں۔

گڈس ٹرین نمبر ۱۳ کا پورا عملہ واقعہ والے دن اپنی منزل پر پہنچتے ہی گرفتار کر لیا گیا تھا۔

☆☆☆ ختم شد ☆☆☆

Akram Allahabadi